تحقیقی مقالہ برائے ایم۔ایس۔اُردو

مرزا اطہر بیگ کی فکشن میں سلینگ کا استعمال
تحقیقی و تنقیدی جائزہ

محقق

ارم ممتاز

179-FLL/MSURDU/F15

نگران

ڈاکٹر صباحت مشتاق

لیکچرار، شعبہ اُردو

شعبۂ اُردو

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

International Islamic Univ.
CENTRAL LIBRARY
ISLAMABAD

Accession No TH 3174

MS
891.4393
ارم

اردو ادب ناول
تحقیق و تنقید

B474138

Rupees 50 ۵۰ روپیہ

بیان حلفی

منکہ مسماۃ ارم ممتاز دختر فرامرز ممتاز رجسٹریشن نمبر 179-FLL/MSURDU/F2015 حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ میرا مقالہ بعنوان "مرزا اطہر بیگ کی فکشن میں سلینگ کا استعمال: تحقیقی وتنقیدی جائزہ" سرقے سے پاک ہے اور اس مقالے میں مکمل اور اصل حوالہ جات دیئے گئے ہیں۔

یہ کہ بیان حلفی بالا میرے علم ویقین کے مطابق درست ہے اس میں کوئی امر مخفی نہ رکھا گیا ہے۔

مقالہ نگار

Iram Mumtaz

مسماۃ ارم ممتاز دختر فرامرز ممتاز

رجسٹریشن نمبر 179-FLL/MSURDU/F2015

شناختی کارڈ نمبر: 38405-9598421-8

ATTESTED

نمبر 8867

10-11-2020

مسماۃ ارم ممتاز دختر فرامرز ممتاز سکنہ ذیشان عطاء الرحمٰن کالونی بوستان خان روڈ، چکلالہ، مکان نمبر 30، راولپنڈی شناختی کارڈ نمبر:38405-9598421-8

برائے بیان حلفی

UMAR FAROOQ KH...
LICENSE No. 34

ACCEPTANCE BY THE VIVA VOCE COMMITTEE

Name of the Student: **Irum Mumtaz**

Title of the Thesis: مرزااطہر بیگ کی فکشن میں سلینگ کا استعمال تحقیقی و تنقیدی جائزہ

Registration No: **179-FLL/MSURD/F15**

Accepted by the Department of Urdu, Faculty of Languages & Literature, International Islamic University, Islamabad, in partial fulfillment of the requirements for the Master of Philosophy degree in Urdu.

VIVA VOCE COMMITTEE

Chairperson Viva Committee:

Dr. Humaira Ishfaq
Chairperson Department Of Urdu Female IIUI

External Examiner:

Dr. Abdul Aziz Sahir
Professor
AIOU University, Islamabad

Internal Examiner:

Dr. Humaira Ishfaq
Chairperson Department Of Urdu Female IIUI

Supervisor:

Dr. Sabahat Mushtaq
Lecturer,Department Of Urdu
Female IIUI

الجامعة الإسلامية العالمية

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

شعبۂ اُردو

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ ارم ممتاز رجسٹریشن نمبر 179-FLL/MSURDU/F15 نے ایم۔ایس۔اُردو کی ڈگری کی تکمیل کے لیے تحقیقی مقالہ بعنوان **" مرزا اطہر بیگ کی فکشن میں سلینگ کا استعمال : تحقیقی و تنقیدی جائزہ"** میری نگرانی میں رقم کیا ہے۔میں تصدیق کرتی ہوں کہ اس موضوع پر اس سے پہلے کہیں کام نہیں ہوا اور یہ کام سرقے سے پاک ہے۔

نگران: ڈاکٹر صباحت مشتاق

لیکچرار، شعبۂ اُردو

بسم الله الرحمن الرحيم

پیش لفظ

زبان سے مراد ایسا نظام لیا جاتا ہے جس کے ذریعے انسان معلومات اور خیالات کا تبادلہ کرتا ہے۔زبان سے ہی انسان اپنے جذبات واحساسات کو بیان کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔زبان کے بارے میں یہ نظریہ بھی ملتا ہے کہ یہ خام یا ابتدائی بولیوں کی ترقی یافتہ شکل ہے۔دنیا کی تمام زبانوں میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور لوگوں کے ذخیرہ الفاظ میں نئے الفاظ شامل ہوتے رہتے ہیں۔اسی طرح سلینگ بھی عوامی زبان سے معیاری زبان میں شامل ہو جاتے ہیں۔اردو زبان میں عام طور پر سلینگ سے مراد عامیانہ الفاظ و محاورات، بازاری زبان، سوقیانہ الفاظ و محاورات، عوامی الفاظ و محاورات ،ناشائستہ الفاظ ،متبذل زبان اور غیر ثقہ الفاظ و محاورات لیے جاتے ہیں۔آکسفورڈ انگلش اردو لغت کے مطابق سلینگ سے مراد عامیانہ بولی، بے تکلفانہ بولے جانے والے عوامی الفاظ فقرے وغیرہ ہیں جو کسی خصوصی موضوع یا کسی مخصوص گروہ سے تعلق رکھتے ہوں۔سلینگ بطور فعل اور اسم استعمال ہوتے ہیں ۔جب سلینگ بطور فعل استعمال ہو تو اس کے معنی کسی کو گالی دینا، گالی بکنا اور فحش کلامی کے ہوتے ہیں۔

ایرک پارٹرج مشہور لغت نویس تھے جنھیں ایڈ منڈ ولسن الفاظ کا بادشاہ کہتا تھا۔ایرک پارٹرج کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انھوں نے کسی تحریر میں سائنسی انداز میں سلینگ کے استعمال کی وجوہات کا تجزیہ کیا ہے۔سلینگ کے حوالے سے ایرک پارٹرج کی اہم تصنیف *Slang Today and Yesterday* جس میں انھوں نے سلینگ کا تجزیہ کرنے کے لیے اپنے نظریے کو وضاحت سے پیش کیا ہے۔ایرک پارٹرج کے نزدیک سلینگ خالص عوامی زبان کی ایک قسم ہے جو مروجہ معیاری زبان سے کم درجے کی ہوتی ہے۔پارٹرج کے نزدیک سلینگ مقامی زبان کا رس یا عرق ہوتے ہیں۔سلینگ اپنی تخلیق کے بعد مقامی زبان میں پرورش پاتے ہیں۔کوئی بھی شخص سوچے سمجھے بغیر سلینگ کا استعمال کرتا ہے۔

اکیسویں صدی میں اردو زبان کے منظر نامے پر مرزا اطہر بیگ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔مرزا اطہر بیگ پاکستان کے مشہور و معروف ناول نگار، ڈرامہ نویس اور افسانہ نگار ہیں۔زیر نظر تحقیقی مقالے میں مرزا اطہر بیگ کے ناولوں غلام باغ ،صفر سے ایک تک،حسن کی صورت حال اور افسانوی مجموعے بے افسانہ کا ایرک پارٹرج کے سلینگ کے نظریے کی روشنی میں تحقیقی و تنقیدی تجزیہ کیا گیا ہے۔اس مقالے کی تحقیق چار ابواب کے تحت کی گئی ہے۔باب اول میں سلینگ، انگریزی سلینگ اور اردو سلینگ کا پس منظری مطالعہ کیا گیا ہے۔اس باب میں سلینگ کی مختلف تعریفیں اور سلینگ کے بارے میں مختلف ماہر لسانیات کے نظریات پیش کیے

گئے ہیں جن کی روشنی میں سلینگ کی ابتدا، نشوو نما اور استعمال کے بارے میں اٹھنے والے بنیادی سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایرک پارٹرج کے سلینگ کے بارے میں نظریے کی مختصر وضاحت کی گئی ہے۔

باب دوم میں مرزا اطہر بیگ کے تینوں ناولوں میں سلینگ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔ ان میں سب سے اہم ناول غلام باغ ہے کیونکہ اس ناول میں مرزا اطہر بیگ نے زبان کے استعمال کے حوالے سے کئی اہم تجربے کیے ہیں۔ غلام باغ میں کثرت سے سلینگ کا استعمال ملتا ہے۔ حسن کی صورت حال غلام باغ سے کم ضخیم ہے اور صفر سے ایک تک ان دونوں ناولوں سے مختصر ہے۔ ان ناولوں ایرک پارٹرج کے سلینگ کے نظریے کی روشنی میں یہ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مرزا اطہر بیگ نے اپنے ناولوں میں سلینگ کا استعمال کیوں کیا۔ کیا وہ کسی خاص طبقے یا پیشے کی نمائندگی کے لیے سلینگ استعمال کرتے ہیں؟ کیا یہ المیے کی شدت کو کم کرتے ہیں ؟ کیا مرزا اطہر بیگ اپنے آپ کو مختلف ثابت کرنے کے لیے ان الفاظ کا سہارا لیتے ہیں یا سلینگ کے استعمال سے وہ کسی تلخ حقیقت کا اقرار یا اس سے انحراف کرنا چاہتے ہیں؟ کیا ان الفاظ کی بدولت زبان میں نئے اضافے ہوتے ہیں؟

باب سوم میں مرزا اطہر بیگ کے افسانوی مجموعے بے افسانہ میں سلینگ کے استعمال کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ کیا گیا ہے۔ باب چہارم میں مرزا اطہر بیگ کی فکشن میں استعمال ہونے والے سلینگ کی فرہنگ بنائی گئی ہے جس میں مختلف اردو لغات کی مدد سے سلینگ کے معنی درج کیے گئے ہیں۔

مجھے اپنے مقالے کے لیے عنوان کے انتخاب کے حوالے سے کافی پریشانی تھی۔ موضوع کے انتخاب کے لیے میں ڈاکٹر صباحت مشتاق صاحبہ کی تہہ دل سے مشکور ہوں شاید وہ اگر بروقت میری رہنمائی نہ کرتیں تو مجھے موضوع کے انتخاب میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ ڈاکٹر صباحت صاحبہ نے مجھے بتایا کہ مرزا اطہر بیگ کی فکشن میں سلینگ کے حوالے سے ایک نیا اور منفرد تحقیقی کام سامنے آسکتا ہے مزید انھوں نے مجھے سلینگ کے حوالے سے دو تعارفی کتابیں رؤف پاریکھ کی اولین اردو سلینگ لغت اور قاسم یعقوب کی اردو سلینگ لغت دیں جن کے مطالعے اور ڈاکٹر صاحبہ کی رہنمائی سے میں نے اپنے مقالے کے لیے اس موضوع کا انتخاب کیا۔ یہ موضوع واقعی اہم، نیا، منفرد اور قابل تحقیق تھا کہ مرزا اطہر بیگ نے اپنی فکشن میں عوامی زبان کے الفاظ جنھیں سلینگ بھی کہا جاتا ہے کیوں استعمال کیے۔ جب میں نے اس موضوع کا انتخاب کیا تو اس وقت ہماری جامعہ میں مرزا اطہر بیگ کی فکشن پر دو حوالوں سے کام ہو رہا تھا۔ ایک کام غلام باغ میں نو آبادیاتی فکر کے حوالے سے اور دوسرا حسن کی صورت حال میں جدیدیت کے حوالے سے تھا۔ یہ دونوں کام مرزا اطہر بیگ کی فکشن کے فکری مطالعے پر مبنی تھے جبکہ میرا کام ان کی فکشن میں سلینگ کے استعمال کی وجوہات کی نشاندہی کرنا تھا۔

اللہ رب العزت کے ننانوے صفاتی نام ہیں جن میں سے واحد ایک نام المنتقم (بدلہ لینے والا) ہے جو اس کے غصے کی صفت کو ظاہر کرتا۔ باقی سب نام اس کی محبت، شفقت، عنایت، مہربانی، رحمت، کرم اور اس کے غفور اور رحیم ہونے کی دلالت کرتے ہیں۔ اگر اللہ پاک کی رحمت اور کرم نہ ہوتا تو شاید میں کبھی بھی یہ تحقیقی مقالہ لکھنے کے قابل نہ ہوتی۔ میں اپنی والدہ محترمہ ناہید ممتاز کی محبت، شفقت اور دعاؤں کے لیے ان کی شکر گزار ہوں کیوں کہ اگر ان کی دعائیں شامل حال نہ رہتیں تو میں نالائق شاید اپنی دنیا کی پریشانیوں میں گم ہو جاتی اور میرا تحقیقی مقالہ ادھورا ہی رہ جاتا۔ میری دوستوں جیسی بہن صبا ممتاز ہمیشہ مجھے کہتیں نالائق کب ہمیں اپنے مقالے کی تکمیل کی خوشی میں پیزا اور کیک کھلائیں گی۔ میری دنیا میرا بیٹا شاہجہاں مجھے اکثر کہتا ماما اپنا کام ختم کریں اور مجھ سے کھیلیں۔ میں شکر گزار ہوں اپنے شوہر مقبول الرحمن (بریگیڈیئر پاکستان آرمی) کی جن کی محبت اور حوصلہ افزائی ہمیشہ میرے ساتھ رہی۔

اب کچھ الفاظ ان عظیم ہستیوں کے نام جن کے بغیر میرا وجود ادھورا ہے۔ ان عظیم ہستیوں میں میری نگران مقالہ ڈاکٹر صباحت مشتاق صاحبہ، ڈاکٹر نجیبہ عارف صاحبہ اور ڈاکٹر حمیرا اشفاق صاحبہ شامل ہیں۔ ان محترم ہستیوں کی رہنمائی سے ہی میں اس مقالے کو مکمل کرنے کے قابل ہوئی۔ میں ڈاکٹر صباحت صاحبہ کی تہہ دل سے مشکور ہوں کیوں کہ جب بھی مجھے اپنے مقالے کے دوران مشکل پیش آئی تو ڈاکٹر صباحت صاحبہ نے ہمیشہ بہت محبت اور شفقت سے میری رہنمائی کی۔ وہ ہمیشہ میرا حوصلہ بڑھاتی تھیں کہ میں جلدی اپنا مقالہ مکمل کروں۔ میں اپنی دوستوں کی بھی شکر گزار ہوں جن کی پر خلوص دعاؤں سے میرا مقالہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔

ارم ممتاز

۳۰ ستمبر ۲۰۲۰ء

فہرست موضوعات

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
	پیش لفظ	
	باب اوّل:	ا۔
ا	سلینگ کا پس منظری مطالعہ	
٦	انگریزی سلینگ کا پس منظری مطالعہ	
	اردو سلینگ کا پس منظری مطالعہ	
١٦	ایرک پارٹرج کا نظریہ سلینگ	
	باب دوم:	۲۔
۲۴	اطہر بیگ کے ناولوں میں سلینگ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ	
۴۲	غلام باغ۔۔۔صفر سے ایک تک۔۔۔حسن کی صورت حال	
	باب سوم:	۳۔
٦۴	مرزا اطہر بیگ کے افسانوں میں سلینگ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ	
	افسانوی مجموعہ:بے افسانہ	
	باب چہارم:	۴۔
۷۷	فرہنگ	
۱۱۰	**ماحصل**	
۱۱۷	**کتابیات**	

باب اوّل:

سلینگ کا پس منظری مطالعہ:

- انگریزی سلینگ کا پس منظری مطالعہ
- اردو سلینگ کا پس منظری مطالعہ
- ایرک پارٹرج کا نظریہ سلینگ

باب اوّل:

سیلنگ کا پس منظری مطالعہ

زبان اللہ تعالٰی کی ایک عظیم نعمت ہے۔زبان کی بدولت ہی انسان اپنے جذبات واحساسات کو بیان کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔زبان ربط کا ایک ایسا آلہ ہے جسے معلومات کا تبادلہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔انسان معلومات کا یہ تبادلہ تحریری طور پر،اشاروں سے،اشتہارات یا بصری مواد کے استعمال سے،علامتوں کے استعمال سے یا براہ راست کلام سے کرتے ہیں۔تخلیق آدم کے ساتھ ہی ضروریات اور احساسات کے اظہار کے لیے انسان کو الفاظ کی ضرورت پڑی اور یہ الفاظ مختلف آوازوں کا مجموعہ ہیں۔انہیں آوازوں کو حروف تہجی کہا جاتا ہے۔حروف بنیادی آوازیں ہوتی ہیں جنھیں جوڑ کر الفاظ بنتے ہیں۔ہر علاقے اور نسل کے لوگوں کی اپنی اپنی زبانیں ہوتی ہیں۔زبان کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خام یا ابتدائی بولیوں کی ترقی یافتہ صورت کا نام زبان ہے۔

دنیا کی تمام زبانوں میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور لوگوں کے ذخیرہ الفاظ میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔سلینگ کیا ہے اور یہ کہاں سے زبان میں آتے ہیں؟زبان میں سلینگ کیوں استعمال کیے جاتے ہیں؟کیا مرد اور اور عورت ایک ہی طرح کے سلینگ استعمال کرتے ہیں؟زبان میں سلینگ کا استعمال کیوں کیا جاتا ہے؟تحریری زبان میں سلینگ کے استعمال کے مقاصد کیا ہیں؟بولی جانے والی زبان کی مختلف اقسام ہوتی ہیں۔ان اقسام میں مادری زبان، دوسری زبان، سرکاری زبان، دفتری زبان، قومی زبان، رابطے کی زبان، تحریری زبان، اشاروں کی زبان اور علامتوں کی زبان شامل ہیں۔سلینگ (Slang) انگریزی زبان کا لفظ ہے۔اگر اردو زبان کے حوالے سے دیکھا جائے تو اردو زبان میں سلینگ کے لیے کوئی باقاعدہ مترادف الفاظ موجود نہیں ہیں۔وقت کے ساتھ ساتھ یہ لفظ اردو میں بھی استعمال ہونے لگا۔سلینگ کا مفہوم ادا کرنے کے لیے اردو زبان میں عام طور پر "عامیانہ الفاظ و محاورات"، بازاری زبان"، سوقیانہ الفاظ و محاورات"، "عوامی الفاظ و محاورات"، ناشائستہ الفاظ "، متبذل زبان "اور "غیر ثقہ الفاظ و محاورات" جیسی عبارتیں ملتی ہیں۔مختلف لغات میں اور مختلف حوالوں سے سلینگ کے کئی معنی اور تعریفیں سامنے آتی ہیں۔

دی آکسفررڈ انگلش اردو ڈکشنری (The Oxford English Urdu

Dictionary) کے مطابق:

> سلینگ اسم اور فعل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔اس سے مراد عامیانہ بولی، بے تکلفانہ بولے جانے والے عوامی الفاظ، فقرے وغیرہ یا جو کسی خصوصی موضوع یا کسی مخصوص گروہ سے تعلق رکھتے ہوں مثلاً Racing Slang سے مراد گھڑ دوڑ میں دلچسپی رکھنے والوں کے مخصوص الفاظ ہیں اور Schoolboy Slang سے مراد اسکول کے بچوں کے عام الفاظ ہیں۔جب سلینگ بطور فعل استعمال ہو تو اس کے معنی کسی کو گالی دینا، گالی بکنا اور فحش کلامی کرنے کے ہوتے ہیں۔[1]

آزاد دائرۃ المعارف ویکیپیڈیا کے مطابق کٹھ بولی یا سلینگ ایک ایسی زبان ہے جو ان الفاظ، محاوروں اور لفظوں کے استعمالات پر مشتمل ہے جو غیر رسمی اندارج سے تعلق رکھتی ہے اور اسے کسی ذیلی زمرے کے افراد استعمال کرنا پسند کرتے ہیں۔یہ معیاری زبان کے زد عام لفظیات سے بہت مختلف ہے۔اس زبان کا ستعمال یا تو اس گروہ یا زمرے کی ایک الگ شناخت قائم کرتا ہے یا غیر گروہی افراد سے ان کو ممتاز کرتا ہے یا پھر تینوں باتیں ممکن ہو سکتی ہیں۔ اگر کٹھ بولی کے حوالے سے دیکھا جائے تو کٹھ بولی سے مراد وہ زبان ہے جسے ممبئ شہر کے کم تعلیم یافتہ یا مجرم پیشہ لوگ استعمال کرتے ہیں۔کٹھ بولی کی کچھ مثالیں جیسے بھائی سے مراد اسمگلر، پتلی گلی سے نکل لینا سے مراد کسی شورش زدہ مقام یا جھگڑے سے بھاگنا، کھولی سے مراد رہنے کی جگہ اور ایڑا سے مراد پاگل ہے۔[2]

اینڈرسن (Andersson) اور ٹرڈگل (Trudgill) سلینگ کی تخلیق کے بارے میں دعویٰ کرتے ہیں کہ سلینگ کے بارے میں اکثر یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ زبان کا برا استعمال ہے۔سلینگ زبان کے ناگزیر استعمال کی نسبت یہ زبان کی توڑ پھوڑ ہے۔زبان کے بارے میں یہ روائتی تصور ہے کہ لوگوں کے پاس طاقت ہوتی ہے۔اگر لوگوں کی اکثریت مخصوص الفاظ کا استعمال زیادہ کرے تو یہ الفاظ معیاری زبان کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں اور جلد ہی روز مرہ زبان کا حصہ بن جاتے ہیں۔انگریزی لفظ لیڈ (Lad) جس کا انگریزی زبان میں معنی "boy" اور "Son" ہے۔انگلینڈ میں اس سے مراد "boy" اور "Son" ہی لیا جاتا ہے جبکہ جنوبی حصوں میں یہ بطور سلینگ ہی استعمال ہوتا ہے۔[3]

ڈاکٹر گڈ ورڈ (Dr. Goodword) ماہر لسانیات کا سلینگ کے بارے میں کہنا ہے کہ سلینگ بالکل بھی کوئی زبان یا بولی نہیں ہے۔یہ ایک کوڈ ہے جس میں کوئی بھی شخص عام بولی جانے والی زبان کے متبادل متعلقہ اور

غیر متعلقہ الفاظ اور جملوں کو استعمال کرتا ہے۔ سلینگ کے طور پر استعمال ہونے والے الفاظ بہت عام ہوتے ہیں۔ماہر لسانیات اکثر سلینگ کو رجسٹر کا ہم معنی ہی تصور کرتے ہیں۔ رجسٹر بھی بولی کی طرح کی ایک زبان ہے جو ہم مخصوص صورت حال میں بولتے ہیں۔ مثال کے طور پر گرجاگھر میں بولی جانے والی زبان فٹ بال کے کھیل میں بولی جانے والی زبان سے مختلف ہوتی ہے۔ گھر میں بولی جانے والی زبان انٹرویو میں بولی جانے والی زبان سے مختلف ہوتی ہے۔ ہم اس وجہ سے ایسا کرتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ کون سے الفاظ اور جملے صورت حال کے مطابق ہیں۔ ڈاکٹر گڈورڈ کے مطابق سلینگ رجسٹر سے مختلف ہوتا ہے۔[۴]

رؤف پاریکھ سلینگ کے بارے میں سوال اٹھاتے ہیں کہ سلینگ کیا ہے ؟اور یہ کیسے اور کیوں بنتا ہے ؟ان کے خیال میں دراصل سلینگ بے تکلفی کی زبان ہے۔ یہ جذبات اور احساسات کا عوامی انداز میں اظہار ہے بلکہ یہ عوامی شاعری ہے اور عوامی کا عامیانہ ہونا ضروری نہیں۔ اصل میں جب مروج و مستعمل الفاظ بہت سادہ اور غیر دلچسپ ہوں یا کثرت استعمال سے معنی کی شدت اور اظہار کا زور کھو بیٹھیں تو سلینگ الفاظ ان کی جگہ لینے کے لیے آجاتے ہیں یا بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مروج الفاظ معنی سے بھرپور اور دلچسپ ہونے کے باوجود جذبوں اور احساسات کی شدت کو اس قوت سے بیان نہیں کرتے جس شدت اور قوت سے بولنے والا بیان کرنا چاہتا ہے یا مروج الفاظ بولن والے کو بہت رسمی اور پر تکلف محسوس ہوتے ہیں۔اس کے نتیجے میں وہ شعوری یا غیر شعوری طور طرپر نئے الفاظ بناتا ہے یا پرانے الفاظ کو نئے مفہوم میں استعمال کرتا ہے۔[۵]

کیمبرج ڈکشنری آف انگلش گرامر کے مطابق سلینگ:

> سلینگ ایساذخیرہ الفاظ ہے جو ایک جیسے معاشرتی گروہ یا ایک دوسرے کو اچھی طرح جاننے والے افراد کے درمیان استعمال ہوتا ہے۔ سلینگ بہت غیر رسمی زبان ہے۔ یہ لوگوں کو غصہ دلا سکتی ہے اگر اسے جان پہچان رکھنے والوں یا حلقہ احباب سے باہر کے لوگوں کے لیے استعمال کیا جائے۔ ہم عام طور پر سلینگ کا استعمال لکھنے سے زیادہ بولنے کے لیے کرتے ہیں۔ سلینگ عموماً خاص لفظوں اور معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے مگر اس میں طویل محاورے ہو سکتے ہیں۔[۶]

قاسم یعقوب کا سلینگ کے بارے میں کہنا ہے:

> سلینگ ان الفاظ اور محاورات کی زبان ہے جو پہلے سے موجود معنی کی توسیع ہوتی ہے۔ یہ معنیاتی توسیع

جذبات کی شدت، نئے سماجی رویے، نئی مشین یا ایجاد کی نمائندگی، کسی نئے لہجے کے غلبے کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔[۷]

جیولی کولمن (Julie Coleman) اپنی کتاب *The Life of Slang* میں کہتی ہیں کہ لوگوں نے سلینگ کے بارے میں بہت عجیب و غریب تبصرے کیے ہیں۔ مصنفہ ان لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو سلینگ کے استعمال کا حامی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ سلینگ تخلیقی، متحرک، شاعرانہ اور انقلابی زبان ہے۔ یہ کسی بھی موجودہ صورت حال میں حقیقت کی جھلک پیش کرتی ہے۔ دوسرا گروہ معیاری زبان کا حامی ہے اور اس گروہ کا کہنا ہے کہ سلینگ گندی، فحش، بدصورت اور معمولی درجے کی زبان ہے۔ سلینگ استعمال کرنے والے لوگ ان پڑھ ہوتے ہیں جو اس سے بہتر زبان کا استعمال نہیں جانتے۔[۸]

مارٹیلو (Martiello) اپنی کتاب *The Pervasiveness of Slang in Standard and Non Standard English* میں سلینگ کی تعریف کرتے ہوئے عام سلینگ (General Slang) اور خاص سلینگ (Specific Slang) میں فرق واضح کیا ہے۔ ان کے مطابق عام سلینگ کی اصطلاح ان افراد کے لیے بولی جاتی ہے جو معیاری زبان کے استعمال سے انحراف کرتے ہیں۔ خاص سلینگ کی اصطلاح ان افراد کے لیے استعمال کی جاتی ہے جن کی عمریں ایک جیسی ہوں۔ ان کی مثال کالج کے لڑکے ہیں جن کی عمریں اور تجربات ایک جیسے ہوتے ہیں۔[۹]

کسی بھی معاشرے میں سلینگ عام بول چال میں بے تکلفی سے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ہم ماہر لسانیات کی ان آرا سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ سلینگ کا پورے کا پورا ذخیرہ ہی عامیانہ، سوقیانہ، ناشائستہ، متبذل اور غیر ثقہ الفاظ پر مشتمل ہے۔ سلینگ صرف نئے لفظوں کا نام ہی نہیں ہے بلکہ یہ پرانے الفاظ کو نئے مفہوم میں استعمال کرنے کا نام بھی ہے۔ سلینگ کسی خاص گروہ یا کسی جگہ پر اکٹھے رہنے والے یا کام کرنے والے جو زبان اور محاورے استعمال کرتے ہیں ،اسے بھی کہتے ہیں۔ بعض اوقات سلینگ کے استعمال کا دائرہ کار کسی دفتر تعلیمی ادارے یا گلی محلے تک بھی محدود ہو سکتا ہے۔ اکثر سکولوں اور کالجوں میں طالب علم مخصوص سلینگ استعمال کرتے ہیں۔ مجرموں اور چوروں کے گروہوں کے اپنے سلینگ ہوتے ہیں۔ سلینگ کا دائرہ پورے ادارے اور پیشے تک بھی پھیلا ہو سکتا ہے، مثلاً جیل میں استعمال ہونے والے سلینگ اور فوجیوں کی گفتگو میں استعمال ہونے والے سلینگ۔ اس حوالے سے قاسم یعقوب کا کہنا

ہے:

سلینگ زبان کو گھٹیا کہنا زبان کے میکانیاتی عمل سے ناآشنائی ہے۔ گھٹیا، غلیظ، سستا اور رکیک بھی انسانی جذبات و افعال کا اظہار یہ ہے جو معیاری زبان میں موجود ہوتا ہے۔ معیاری زبان جب ابتدائی جذبات کا اظہار نہیں کر پاتی تو سلینگ راہ پاتا ہے یعنی معیاری زبان کی اس طرح کے اظہارات میں توسیع ہونے لگتی ہے۔ ڈنڈا دینا، ہیڈ لائٹ کھولنا وغیرہ رکیک مشاہدات کو بیان کر رہے ہیں جو معیاری زبان میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ [11]

سلینگ کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ یہ گفتگو کو متاثر کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کے ساتھ اپنی گفتگو میں سلینگ استعمال کرتا ہے جو اس کے علاقے سے تعلق نہیں رکھتا تو اسے بات واضح سمجھ نہیں آئے گی۔ امیدوار کے سلینگ کے استعمال سے انٹرویو لینے والا امیدوار کو ان پڑھ، نچلے طبقے کا اور غیر سنجیدہ سمجھتا ہے۔ بعض اوقات گفتگو میں سلینگ کا استعمال تلخ کلامی کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ سلینگ الفاظ و محاورات کا پیدا کردہ تاثر اکثر عام سوچ اور معاشرے کے معیاروں سے مطابقت نہیں رکھتا اور اسی عدم مطابقت سے مزاح بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جہاں سلینگ کے استعمال سے گفتگو میں مسائل پیدا ہوتے ہیں وہاں ان کے استعمال سے گفتگو میں کسی زبان کی قوت نمو کا تخلیقی اظہار بھی ہوتا ہے۔ بعض سلینگ الفاظ اتنے دلچسپ، جاندار اور ابلاغ کی قوت لیے ہوتے ہیں کہ ان کا نعم البدل یا مترادف کوئی اور لفظ ہو ہی نہیں سکتا۔

(ا) انگریزی سلینگ کا پس منظری مطالعہ

زبان پر ہونے والی تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ ہر زبان میں نئے الفاظ شامل ہوتے رہتے ہیں اور پرانے الفاظ زبان کے منظر نامے سے محو ہوتے جاتے ہیں۔زبان کے ارتقا کا عمل جامد نہیں ہے۔انسانی ذہن اس سلسلے میں بے پناہ صلاحیت رکھتا ہے اور کسی بھی زبان کو زندہ اور نمو پذیر رکھنے اور اسے قوت بخشنے میں ایک اہم محرک ہے۔لسانیات کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ لسانی تغیرات سے ہی معنوی اور صوتی تغیرات جنم لیتے ہیں اور کسی بھی زندہ اور ترقی پذیر زبان میں سلینگ شامل ہوتے رہتے ہیں۔کسی بھی زبان میں تازگی کا احساس سلینگ کی موجودگی سے ہوتا ہے۔سلینگ عوام کی روز مرہ بولی سے جنم لیتا ہے اور عوام میں اپنی جڑیں رکھتا ہے اور کوئی بھی زبان عوام کی سطح سے ہی قوت حاصل کرتی ہے۔

سلینگ کے پس منظری مطالعہ سے قبل سلینگ سے متعلقہ کچھ اصطلاحات کی وضاحت ضروری ہے۔سلینگ کی وضاحت اوپر کر دی گئی ہے۔اکثر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ سلینگ معیاری زبان کا حصہ نہیں ہے مگر عام بول چال میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔معیاری زبان(Standard Language) کیا ہے؟عام طور پر معیاری زبان اس زبان کو کہا جاتا ہے جس میں ادیب اپنی تحریروں اور مقرر اپنی تقریروں میں استعمال کرتے ہیں۔وہ اس زبان کو استعمال کرتے ہوئے قواعد صرف و نحو کا مکمل خیال رکھتا ہے۔تقریباً تمام ادب اور ہر طرح کی کتابیں اسی معیاری زبان میں شائع ہوتی ہیں۔معیاری زبان کے برعکس عوامی زبان میں ادب و قواعد کا خیال نہیں رکھا جاتا۔دی کیمبرج ڈکشنری آف انگلش گرامر کے مطابق معیاری زبان،زبان کی وہ قسم ہے جو حکومتیں استعمال کرتی ہیں۔میڈیا میں استعمال ہوتی ہے،سکولوں میں استعمال ہوتی ہے اور بین الاقوامی روابط بھی اسی زبان میں ہوتے ہیں۔دنیا میں انگریزی زبان کی کئی معیاری شکلیں ہیں جیسے شمال امریکی انگریزی،آسٹریلین انگریزی اور انڈین انگریزی۔انگریزی زبان کی ان تمام معیاری شکلوں میں لہجوں کے اختلافات کے ساتھ ساتھ کچھ گرامر کے اختلافات بھی ہیں۔[۱۱]

سلینگ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ سلینگ ایک قسم کی ابتدائی بولی ہے اور زبان ابتدائی بولیوں کی ہی ترقی یافتہ شکل ہے۔اگر سلینگ بولی کی ہی ایک قسم ہے تو پھر بولی اور زبان میں کیا فرق ہے؟زبان اور بولی میں عام

اختلافات یہ ہیں کہ زبان میں کچھ قواعد ہوتے ہیں جبکہ بولی میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ زبان کثیر آبادی اور بڑے علاقے میں بولی جاتی ہے جبکہ بولی ایک چھوٹے علاقے تک محدود ہوتی ہے۔ زبان ادب، صحافت اور حکومت کے تمام اداروں میں استعمال ہوتی ہے اور بولی روز مرہ گفتگو کے لیے۔ جمال صاحب اپنے ایک آرٹیکل "Dialect and Language: What's the Difference" میں بولی اور زبان میں فرق بیان کرتے ہیں۔ ان کے مطابق بولی بھی زبان ہی ہوتی ہے لیکن اسے زبان کا معتبر درجہ نہیں دیا جاتا۔ زبانیں اور بولیں کوڈز ہوتی ہیں۔ ماہر لسانیات زبان کو معیاری کوڈ کے طور پر بیان کرتے ہیں جو تحریری اور بولی جانے والی زبان میں استعمال ہوتے ہیں۔ زبان کے معیاری کوڈز کے مقابلے بولی مقامی یا دیسی زبان کے کوڈز پر مشتمل ہوتی ہے جس کا کوئی معیاری تحریر کے لیے سسٹم نہیں ہوتا۔ [۱۲]

سلینگ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ انگریزی زبان کے الفاظ جارگن (Jargon)، کینٹ (Cant) آرگو (Argot) بزورڈز (Buzzwords)، کلوکیل (Colloquial) اور رجسٹر (Register) کو سلینگ یا سلینگ کے قریب سمجھ لیا جاتا ہے یا ان کے درمیان بہت کم فاصلہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ تمام الفاظ تھوڑے تھوڑے معنیاتی فرق کے ساتھ تقریباً ایک ہی طرح کا مفہوم رکھتے ہیں مگر یہ تمام سلینگ نہیں ہوتے۔ جارگن کے بارے میں قاسم یعقوب کہتے ہیں:

> جارگن کسی مخصوص شعبے کے تناظر میں بنائی جانے والی اصطلاحات کا نام ہے۔ انڈسٹری، سینما، آرٹ یا اسی طرح کے دیگر شعبوں میں ایسے الفاظ رواج پا لیتے ہیں جو اسی شعبے کے افراد سمجھتے ہیں اور اسی شعبے سے متعلق ہوتے ہیں۔۔۔۔ جارگن سلینگ سے اس لیے بھی مختلف ہے کیوں کہ سلینگ عوامی بولی کے قریب ہوتا ہے اور اصطلاحی معنوں میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ نئے جذباتی، فکری اور عوامی اظہار کی ضرورت کی وجہ سے راہ پاتا ہے جسے عوامی سطح پر مقبولیت ہوتی ہے اور اس میں مستند زبان کے معنی بھی محدود سطح پر موجود ہوتے ہیں۔ [۱۳]

رچرڈ نارڈ قیوسٹ (Richard Nordquist) سلینگ اور جارگن میں فرق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جارگن کسی مخصوص شعبے کے لوگوں کی زبان ہے۔ یہ اس شعبے کے لوگ ہی استعمال کرتے ہیں اور وہ ہی اسے سمجھ سکتے ہیں۔ باقی لوگوں کے لیے یہ بے معنی زبان ہوتی ہے۔ جارگن ایک پیچیدہ زبان ہوتی ہے جو کسی خاص شعبے

کے ماہرین استعمال کرتے ہیں۔ یہ زبان انہیں وضاحت اور اختصار سے گفتگو میں مدد دیتی ہے۔ اس لیے جارگن سلینگ سے مختلف زبان ہے۔[۱۴]

کینٹ اور آرگو سلینگ کے مترادفات ہیں۔ ان کے بارے میں قاسم یعقوب کا کہنا ہے کہ کینٹ اور آرگو کو خفیہ زبان بھی کہا جاتا ہے۔ کینٹ اور آرگو کا دائرہ بہت محدود مگر سلینگ کے بہت قریب ہوتا ہے۔ زیادہ تر آرگو محدود پیمانے پر ہی رہتے ہیں اور وہیں ختم ہو جاتے ہیں۔ ان الفاظ کو عموماً کسی غیر متعلقہ شخص کے لیے سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے مگر ایک شعبے یا چند متعلقہ احباب کے درمیان پوری معنیاتی جہات کے ساتھ سمجھا اور بولا جا رہا ہوتا ہے۔ آرگو الفاظ کا استعمال کہانی کاروں کے ہاں بھی ہوتا ہے۔ کہانی کار کسی شعبے کی نمائندگی کرتے ہوئے مخصوص کرداروں کے ذریعے ایسے آرگو یا کینٹ الفاظ لاتا ہے جنہیں اسی تناظر میں سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ ان الفاظ کو سمجھانے کے لیے پورا افسانوی ماحول بناتا ہے۔ آرگو زبان جارگن کے مقابلے میں کم تر درجہ رکھتی ہے۔[۱۵]

کیمبرج ایڈوانسڈ لرنر ڈکشنری کے مطابق کینٹ سے مراد ہے:

> مخصوص گروہ کے افراد کے استعمال کردہ الفاظ ہیں جیسے چوروں، وکیلوں اور پادریوں کے استعمال کردہ الفاظ کینٹ کہلائیں گے۔ یہ گروہ اکثر انہیں باتیں خفیہ رکھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ کینٹ سے مراد مذہبی اور اخلاقی موضوعات پر مبنی بیانات بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ بیانات ناقابل یقین ہو سکتے ہیں۔[۱۶]

ادبی اصطلاحات (Literary Terms) کے مطابق بزورڈ ایک ایسا لفظ یا فقرہ ہوتا ہے جس کے معنی کچھ خاص نہیں ہوتے لیکن ایک خاص وقت میں بہت مشہور ہو جاتا ہے۔ بزورڈ کی مثال Think outside of the box ہے جو شعبہ تعلیم میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد تخلیقی ہونا ہے۔ بزورڈز آسان اور سادہ ہوتے ہیں اور یہ ان لوگوں کو آسانی سے متاثر کر سکتے ہیں جو آسانی سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ ان الفاظ میں بہت طاقت ہوتی ہے ۔ جب ان الفاظ کا ضرورت سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے تو یہ دوسروں کو متاثر کرنے کی صلاحیت کھو دیتے ہیں۔ اشتہار بازی میں جب دلائل سے بات کرنی ہو تو بزورڈز کا استعمال کیا جاتا ہے تاکہ چیز کو سامعین اور صارفین کے لیے زیادہ قابل قبول بنایا جائے۔[۱۷]

بزورڈز کی اس تعریف یہ پتہ چلتا ہے کہ سلینگ اور بزورڈز میں فرق موجود ہے۔ سلینگ کی طرح بزورڈز بھی الفاظ کا غیر رسمی استعمال ہی ہے لیکن بزورڈز کے معنی کچھ خاص نہیں ہوتے ان کا مقصد عام لوگوں کو متاثر کرنا ہوتا

ہے۔

اردو زبان میں Slang اور Colloquial کے لیے بولی، بازاری بولی، عام بول چال، روز مرہ کی بولی ،عامیانہ بولی، عوامی بولی وغیرہ کے الفاظ مروج و مستعمل ہیں۔ اکثر سلینگ اور کلوکیل کو مترادف الفاظ ہی سمجھا جاتا ہے کیونکہ دونوں اصطلاحات زبان کے غیر رسمی استعمال کے لیے بولی جاتی ہیں۔ ان دونوں اصطلاحات میں فرق یہ ہے کہ سلینگ آبادی کے خاص گروہ استعمال کرتے ہیں جبکہ کلوکیل روز مرہ گفتگو میں استعمال ہونے والے عام الفاظ ہیں۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ سلینگ کا ذخیرہ الفاظ وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے جبکہ کلوکیل کے ذخیرہ الفاظ کی عمر زیادہ ہوتی ہے۔ کلوکیل اکثر سلینگ پر مشتمل ہوتی ہے۔ کلوکیل کو معیاری زبان کا درجہ دیا جاتا ہے جبکہ سلینگ کو نہیں۔ کلوکیل کے استعمال کی جغرافیائی حدود ہوتی ہیں جبکہ سلینگ کسی بھی کلاس، طبقے یا کلچر میں استعمال ہو سکتے ہیں۔ سلینگ کی مثالیں Old Fogey: old people، Losta: Lots of اور کلوکیل کی مثالیں What's going on ?، Hy, What's up وغیرہ ہیں۔

کوشال (Koshal) کے مطابق سلینگ الفاظ اور جملوں کا غیر رسمی استعمال ہے۔ ان کا استعمال اکثر کسی خاص تناظر میں کیا جاتا ہے یا ان کا استعمال کسی خاص شعبے یا طبقے تک محدود ہوتا ہے۔ سلینگ کی کئی اقسام ہیں جیسے سکول بوائے سلینگ (Schoolboy Slang)، کالج سٹوڈنٹ سلینگ (College Student Slang) اور سپورٹس سلینگ (Sports Slang) وغیرہ۔ بعض اوقات سلینگ گھٹیا، تذلیل آمیز، بے ہودہ اور واہیات الفاظ بھی ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس کلوکیل کسی بھی خطے (Region) یا مقام (Location) پر زبان کا استعمال ہے۔ کلوکیل زبان کی ایسی قسم ہے جو صرف اسی مخصوص علاقے یا مقام پر سمجھی جاتی ہے جہاں یہ بولی جاتی ہے۔ سلینگ میں اکثر مزاحیہ الفاظ بھی شامل ہو جاتے ہیں جبکہ کلوکیل میں ایسا نہیں ہوتا۔[۱۸]

اگر لسانیات کے حوالے سے دیکھا جائے تو رجسٹر سے مراد مختلف صورت حال میں زبان کے مختلف استعمال ہیں۔ زبان میں یہ تغیرات رسمی اور اسلوب بیاں کے حوالے سے ہوتے ہیں۔ رجسٹر کا تعین ان کے سماجی استعمال اور کسی مقصد کے استعمال کے تحت ہوتا ہے۔ فرض کریں ہم کسی بہت اہم شخصیت سے ملاقات کے لیے گئے ہیں اور ہماری یہ اس شخصیت سے پہلی ملاقات ہے۔ مثال کے طور پر یہ عمران خان ہو سکتا ہے۔ جب ہم ان سے ملیں گے تو ملاقات کے وقت ہائے یا تم کیا کر رہے ہو کے بیانات استعمال نہیں کریں گے بلکہ اس صورت حال میں ہم رسمی زبان کا استعمال

کریں گے۔ ہم عمران خان کو اس طرح مخاطب کریں گے: جناب، عزت مآب وزیر اعظم صاحب میں آپ کی خدمت میں اس ضروری کام کے حوالے سے حاضر ہوا تھا۔ جب ہم اپنے کسی دوست سے ملیں تو ہم اس طرح کی رسمی زبان کا استعمال نہیں کریں گے۔ زبان کے استعمال میں یہ تغیر رجسٹر کہلاتا ہے۔

ادبی زبان میں رجسٹر اسلوب بیاں کا منفرد انداز تخلیق کرنے کے لیے رجسٹر کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ادبی زبان میں فارمل رجسٹر اور ان فارمل رجسٹر استعمال کیے جاتے ہیں۔ اگر سلینگ کے حوالے سے دیکھا جائے تو سلینگ رجسٹر سے مختلف ہے کیونکہ سلینگ مخصوص صورت حال میں مخصوص الفاظ کا رسمی اور غیر رسمی استعمال ہے۔ یہ بولنے والے کے لہجے کو بھی ظاہر کرتا ہے اور اس کے استعمال میں کوئی پابندی نہیں ہوتی۔

کسی بھی زندہ اور ترقی پذیر زبان کا سفر ہمیشہ اس وجہ سے ہی جاری رہتا ہے کیونکہ اس میں نئے الفاظ شامل ہوتے رہتے ہیں اور ناقابل استعمال الفاظ زبان کے منظر نامے سے مٹتے رہتے ہیں۔ کسی بھی زبان کی زندگی اور تازگی کے لیے اس میں تغیرات کا ہونا ضروری ہے۔ سلینگ ہر زمانے میں زبان کو زندگی اور تازگی بخشتے رہے ہیں۔ سلینگ عام عوام کی زبان سے جنم لیتا ہے اور اس کی جڑیں معاشرے کے ہر طبقے کے استعمال تک پھیلی ہوتی ہیں۔ مجوزہ مقالے میں سلینگ کے پس منظری مطالعے اور انگریزی سلینگ کے پس منظری مطالعے کے لیے مختلف محققین کی تحقیق و تنقید سے استفادہ کیا گیا ہے۔

سلینگ کی ابتداء کے بارے میں رؤف پاریکھ کہتے ہیں:

> سلینگ کی ابتداء کے بارے میں ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ Sling (معنی گھما کر مارنا) سے نکلا ہے اور عوامی زبان میں Sling کا صیغہ ماضی Slang بنایا گیا۔ اسی طرح ایک اور خیال یہ بھی ہے کہ نارویجین زبان میں ایک لفظ Sleng ہے جو انگریزی کے لفظ Sling کا ہم معنی ہے اور اسی سے نارویجین زبان میں Slengje Kjefton کا فقرہ جو انگریزی میں To Sling the Jaw کا لفظی مفہوم رکھتا ہے اور جس سے مراد ہے ناگوار زبان کا استعمال۔ لیکن بعض ماہرین اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ [۹]

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (Encyclopedia Britannica) کے مطابق سلینگ کی ابتدا کے بارے میں کچھ واضح معلومات نہیں ملتیں۔ یہ ۱۸۰۰ء کے لگ بھگ پرنٹ شکل میں ملتا ہے جسے لندن میں

مجرم اور بدنام زمانہ لوگ اپنی گفتگو میں استعمال کرتے تھے تاہم اصطلاح کے طور پر شاید یہ بہت بعد میں استعمال ہوا۔ سلینگ اکثر سطحی اور بعض اوقات بنیادی اقدار میں پھیلے تضادات سے جنم لیتا ہے۔ جب کسی شخص نے اپنی نفرت، دشمنی یا دانائی کا اظہار کرنا ہوتا ہے یا مضحکہ خیز بیانات دینے ہوتے ہیں تو وہ زبان کو اپنے انداز سے استعمال کرتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ سلینگ تخلیق کر رہا ہو۔ اپنی تخلیق کے بعد نیا سلینگ پہلے عام طور پر وسیع سطح پر ذیلی ثقافت میں استعمال ہوتا ہے پھر غالب ثقافت میں۔ [۲۰]

جلینا فاسولا (Jelena Fasola) اپنے ایک آرٹیکل "Slang and its History" میں لکھتی ہیں کہ کسی بھی زندہ زبان کی تحریری اور زبانی شکل میں متحرک روانی موجود ہوتی ہے۔ سلینگ کی اصطلاح زبان کی متحرک شکلوں کا عکس پیش کرتی ہے اسی لیے یہ دھندلی اور مبہم ہے۔ سلینگ کی ابتداء کے بارے زیادہ تر ماہر لسانیات اور لغت نویس غیر یقینی اور غیر حتمی آرا کا اظہار کرتے ہیں۔ اطالوی محقق وینونا بولرڈ (Winona Bullard) لکھتی ہیں کہ زمانہ وسطیٰ میں مختلف لہجے اور بولیاں سلینگ کی اصطلاح کا پہلا معنی پیش کرتی ہیں۔ اس کا استعمال چوسر (Chauser)، ولیم کیکسٹون (William Caxton) اور ولیم آف مالمس بری (William of Malmesbury) کے ہاں ملتا ہے۔ سولہویں یا سترھویں صدی سے سلینگ کے مروجہ معنی کا آغاز ہوتا ہے۔ انگریز مجرموں کے استعمال کردہ کینٹ کو سلینگ کا نقطہ آغاز کہا جا سکتا ہے۔ یہ زبان کی ایک نئی قسم تھی جو مجرم شراب خانوں اور جوا گھروں میں استعمال کرتے تھے۔ پہلے یہ بھی یقین کیا جاتا تھا کہ انگریز مجرموں کے کینٹ کا آغاز رومانیہ یا فرانس سے ہوا۔ بلرڈ مزید دلائل دیتی ہیں کہ رچرڈ بروم (Brome Richard ,1635) کے مشہور ڈراموں میں اور کوپ لینڈ (Copland,1925) کی نظموں اور گانوں میں سلینگ کا استعمال ملتا ہے۔ امریکہ میں سترھویں صدی سے ثقافتی تضادات کی وجہ سے انگریزی زبان پر اثرات مرتب ہوئے اور سلینگ کا دائرہ کار وسیع ہونا شروع ہوا۔ اٹھارویں صدی میں سلینگ کو زبان کا غلط استعمال قرار دیا گیا اور اس کے استعمال کو ممنوع کر دیا گیا۔ [۲۱]

زبان کا عمل طے شدہ راستوں کا مقعید نہیں ہوتا کیونکہ لفظ مرتے بھی ہیں اور نئے بھی شامل ہوتے ہیں۔ سلینگ کا ذخیرہ الفاظ بھی تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ ایک نسل جو سلینگ استعمال کر رہی ہوتی ہے وہ اگلی نسل کے لیے پرانے الفاظ ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے وہ اسے استعمال نہ کریں۔ بعض اوقات سلینگ معیاری زبان میں شامل ہو کر اس کا حصہ

بن جاتے ہیں اور ان کا سابقہ استعمال ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلینگ معیاری زبان کا بگاڑ نہیں بلکہ نئی لفظ سازی ہے۔ سلینگ کی یہ خصوصیت بھی ہوتی ہے کہ یہ ان تصورات اور خیالات کو پیش کرنے لگتے ہیں جنھیں معیاری زبان پیش نہیں کر سکتی۔

انا طولی لبر مین(Anatoly Liberman)اپنے ایک مضمون *The Origin of the word Slang is known* میں سلینگ کا تاریخی پس منظر پیش کرتے ہیں۔ لبر مین کے مطابق سلینگ معیاری زبان پر ایک حفاظتی تہہ کی شکل میں ہمیشہ موجود رہتے ہیں لیکن جہاں تک انگریزی زبان کے لفظ سلینگ کا تعلق ہے اس کا استعمال اٹھارویں صدی کے وسط میں ملتا ہے۔ جہاں تک سلینگ کے شجرہ نسب کا تعلق ہے تو اس کا استعمال آفل کورٹ(Offal Court)یعنی مذبح خانوں میں کیا جاتا تھا۔ محض ایک صدی پہلے سلینگ الفاظ لعن طعن کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے اور فحش سمجھے جاتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے سلینگ کی ابتدا کے بارے میں جاننے کی کوشش کی اور آخر کار ۱۸۹۸ء میں یہ پہیلی بوجھ لی گئی۔ جیمز پلیٹ(James Platt)نے سلینگ کی نئی تعبیر پیش کی ہے۔ انھوں نے سلینگ کے استعمال کی مخصوص علاقے تک حد بندی کی ہے۔ مخصوص علاقے میں کچھ آوارہ گرد اپنی مٹر گشت کے دوران سلینگ کا استعمال کرتے تھے۔ اس بات کا بھی بہت امکان ہے کہ شمالی حصے میں رہنے والے انگریزوں نے سلینگٹ کی اصطلاح ان پھیری والوں سے سنی ہو گی جو اپنے آپ کو سلینگ کہتے تھے۔ یہ پھیری والے اس وقت مخصوص ذخیرہ الفاظ کا استعمال کرتے جب انھوں نے اپنی اشیا فروخت کرنی ہو تیں۔ [۲۲]

جان کمڈن ہوٹن (John Comden Hotten)سلینگ کی تاریخ کے بارے میں The Etymological, Historical and Anecdotal Slang Dictionary: میں لکھتے ہیں کہ سلینگ گلیوں بازاروں کی مضحکہ خیز، تیز، اعلیٰ اور ادنی زندگی کی زبان ہے جبکہ کینٹ خفیہ رازوں کی فحش زبان ہے۔ کینٹ اور سلینگ دونوں ہی عالمگیر اور قدیم ہیں۔ دنیا میں ہر عہد کے عام لوگ اس فحش زبان کو استعمال کرتے رہے ہیں۔ اگر ہم وائس مین(Wise Man)کے اس قول پر یقین کر لیں کہ "سورج کے نیچے کچھ بھی نیا نہیں ہے"۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سلینگ نے سینچیرب(Sennacherib) کے محل کی دہلیز سے جنم لیا (سینچیرب: بابل تہذیب کے شہر آشوری کا بادشاہ تھا اور اس کا عہد حکومت ۶۸۱تا۷۰۵ قبل مسیح تھا)۔ قدیم مصر سے جو آثار دریافت ہوئے ہیں اور جو بابل شہر کی تعمیر میں اینٹیں استعمال ہوئی ہیں، ہو سکتا ہے ان پر سلینگ تصویری تحریر یا

علامتی زبان کی شکل میں موجود ہوں اور ماہرین آثار قدیمہ اس سے واقف نہ ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلینگ اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ بولی جانے والی زبان۔ یقیناً اس کی ابتدا اس وقت ہوئی ہوگی جب لوگ شہروں میں اجتماع کی شکل میں اکٹھے ہوئے ہوں گے۔ اس طرح پر جوش اور مصنوعی زندگی سے سلینگ نے جنم لیا۔ جہاں تک سلینگ کی موجودگی کا تعلق ہے تو جگت بازوں کی مارشل سلینگ سے بھری پڑی ہے۔[۲۳]

سیلی ویوا (Saliyeva) کے ایک آرٹیکل "Etymology of Slang: Its Origin and Definition" میں سلینگ کی ابتدا کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ ان کے مطابق سلینگ عوامی یا مقامی انگریزی کا جزو لانیفک ہے۔ تمام ممالک کے تمام تاریخی ادوار میں سلینگ موجود تھا۔ سلینگ کی یہ خصوصیت ہے کہ عام زندگی کے واقعات کو انوکھے اور عجیب وغریب انداز میں پیش کرتا ہے۔ اگرچہ سلینگ کی عمر زیادہ نہیں ہوتی مگر پھر بھی یہ ہر تاریخی دور میں موجود ہوتے ہیں۔ ماضی کی نسبت حال میں سلینگ کا استعمال زیادہ نظر آتا ہے۔ اوسطاً بیس سے تیس فیصد مقامی آبادی کی زبان سلینگ پر مشتمل ہوتی ہے۔ زبان کی تاریخ میں سلینگ اتنا ہی قدیم ہے جہاں تک ریکارڈز جا سکتے ہیں۔ لفظ سلینگ کی ابتدا کے بارے میں تاریخ خاموش نظر آتی ہے۔ اس کی آواز اور تمثیلی معنی اسکینڈیوین سلنگ (Sling) سے ملتے ہیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ موجودہ انگریزی لفظ سلنگ کی جڑیں جرمنی میں موجود تھیں۔ ایک اور قیاس یہ بھی ہے کہ سلینگ مضاف الیہ عبارتوں جیسا کہ Beggars اور Language or Rogues کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ سلینگ کی اصطلاح پہلی دفعہ اٹھارویں صدی کے وسط میں انگلینڈ میں استعمال ہوئی مگر انگریزی ادب میں سلینگ سولہویں صدی میں موجود تھا اور اس کا ذخیرہ سات بڑی جلدوں میں موجود ہے۔ سلینگ کی وہ اصطلاح جو انگریزی لسانیات میں کثرت سے استعمال ہوتی ہے اس کی مختلف شکلیں سامنے آتی ہیں۔ مثال کے طور پر سلینگ کی اصطلاح صوتی، معنوی اور لغوی سطح پر ان انگریزی الفاظ کے لیے استعمال کی جاتی ہے جنھیں توڑ مروڑ کر اور غلط تلفظ کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔[۲۴]

انگریزی زبان دنیا میں بولی جانے والی وسیع زبان ہے جو بہت سے ممالک میں بنیادی زبان کے طور پر بولی جاتی ہے۔ یہ دنیا کے کئی ممالک میں ثانوی یا سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ ساری دنیا میں رابطے کی زبان بھی ہے۔ سلطنت برطانیہ کی سرحدوں میں توسیع کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان انگلستان سے نکل کر امریکہ، انگلینڈ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ سمیت دنیا بھر میں پھیلتی چلی گئی اور آج بھی برطانیہ اور امریکہ کی سابقہ نوآبادیوں میں یہ

وسیع سطح پر بولی اور پڑھائی جاتی ہے جن میں پاکستان، بھارت، گھانا، نائجیریا، جنوبی افریقہ، کینیا، یوگنڈا اور فلپائن شامل ہیں۔

انگریزی زبان میں سلینگ کے پس منظر کے بارے میں نیو ورلڈ انسائیکلو پیڈیا (*New World Encyclopedi*a)میں درج ہے کہ زمانہ وسطیٰ میں زبان کی کوئی خاص معیاری شکل نہیں تھی۔ اس دور میں مختلف بولیاں اور لہجے سلینگ کے ابتدائی تصورات کو پیش کرتے معلوم ہوتے ہیں اگرچہ بولیاں سلینگ نہیں ہوتیں۔ سولہویں صدی میں انگریز مجرم کینٹ کا استعمال کرتے تھے۔ کینٹ زبان کا ایک ایسا سیٹ تھا جو مجرموں اور ٹھگوں کا تخلیق کردہ تھا۔ انگریز مجرم جو کینٹ کا استعمال کرتے تھے اسے سلینگ تصور نہیں کر سکتے کیوں کہ سلینگ اٹھارویں صدی میں استعمال ہوا۔ سلینگ سولہویں صدی کے وسط میں رچرڈ بروم(Richard Brome)کے مشہور ڈراموں، نظموں اور گانوں میں نظر آنا شروع ہوا۔ انگریزی سلینگ امریکہ میں اٹھارویں صدی میں ثقافتی تضادات سے متاثر ہوا اور اس کا زیادہ استعمال ہونا شروع ہوا۔ ۱۹۲۰ء کے بعد سلینگ کو اپنانے میں آزاد رویہ نظر آیا۔ افسانوی ادیبوں اور معاشرے میں مشہور ہوا۔ دو اہم واقعات امریکی ملکی خانہ جنگی (American Civil War) اور انسداد غلامی کی حامی تحریک (Abolitionist Movement)نے سلینگ کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔[۲۵]

رچرڈ بروکس(Richard Brooks) اپنے ایک آرٹیکل "Slang Through the Ages: Can you Guess What These Slang Words mean" میں انگریزی سلینگ کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ:

> سلینگ ہمیشہ ذیلی گروہوں اور ذیلی ثقافتوں میں موجود رہے ہیں جن میں یہ باہمی گفتگو اور شناخت کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ اکثر مجرم اپنے فائدے کے لیے سلینگ استعمال کرتے تھے۔ درحقیقت یورپ میں ابتدائی لغات میں مجرموں اور فقیروں کے استعمال کردہ کینٹ یا سلینگ کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ چوسر اور شیکسپئیر اپنی تخلیقات کو زندہ رکھنے کے لیے سلینگ کا استعمال کرتے تھے۔ حتیٰ کہ دی کینٹر بری ٹیلز(The Canterbury Tales) کا عنوان سلینگ ہے۔ کینٹر بری کا مطلب

ایک طویل داستان تھا۔ شیکسپئیر نے اپنی تصانیف میں کثرت سے سلینگ کا استعمال کیا ہے اور بہت سے نئے الفاظ بھی استعمال کیے۔[۲۶]

(ب) اردو سلینگ کا پس منظری مطالعہ

اردو برصغیر پاک وہند میں کثرت سے بولی جانے والی زبان ہے۔ایسے معاشرے جہاں ایک سے زائد بولیاں بولی جاتی ہوں وہاں سلینگ کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔پاکستان اور بھارت اس حوالے سے زرخیز ممالک ہیں جہاں اسالیب وبیاں کے مثالی نمونے تخلیق ہوئے ہیں۔اگرچہ اردو زبان وادب پر دیگر حوالوں سے بہت سا تحقیقی اور تنقیدی کام سامنے آتا ہے مگر اردو زبان میں سلینگ کے استعمال کے حوالے سے دیکھا جائے تو اولین اردو سلینگ لغت سامنے آتی ہے جو ڈاکٹر رؤف پاریکھ کا ایک منفرد کام ہے۔اس لغت میں انھوں نے اردو کے غیر رسمی الفاظ و محاورات کی سلینگ کے تناظر میں جائزہ لیا ہے۔سلینگ کے رائج تصور اور اس کی خصوصیات کی بھی وضاحت کی ہے۔رؤف پاریکھ نے زبان میں رائج گالیاں،بے ہودہ، بازاری اور فحش الفاظ لغت میں شامل نہیں کیے اگرچہ انگریزی زبان میں یہ الفاظ سلینگ میں شامل ہیں۔

رؤف پاریکھ اردو زبان میں سلینگ کے سفر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "زبان ابتدائی بولیوں کی ترقی یافتہ شکل ہوتی ہے اور سلینگ ایک قسم کی ابتدائی بولی ہے۔سلینگ محاورہ بہت نچلی سطح سے اٹھتا ہے۔کچھ عرصے کی تبدیلیوں کے بعد یا تو یہ اپنی موت آپ مر جاتا ہے یا مروجہ زبان میں جذب ہو جاتا ہے۔بعض الفاظ یا محاورات جو کسی خاص طبقے تک محدود ہوتے ہیں آہستہ آہستہ عوام کی زبان پر آجاتے ہیں جیسے "ٹانکے ڈھیلے کرنا" اور " بخیے ادھیڑنا" درزیوں کے طبقے تک محدود تھے لیکن اب عام اردو بولنے والا بھی انھیں بلا تکلف استعمال کرتا ہے۔سلینگ کسی زبان کی قوت نمو کا تخلیقی اظہار ہے۔زبان میں بہت سے نئے الفاظ شامل ہوتے ہیں اور بہت سے نکل جاتے ہیں۔بعض لوگوں نے اردو کے کئی الفاظ کو متروک قرار دیا ہے کیونکہ ان کے مروج معنی اور لغت کے معنی میں فرق ہے۔بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کے معنی میں فرق ہے۔اردو کے سلینگ الفاظ و محاورات شراب سے متعلق کم ہیں لیکن عورت یا جنس اور روپے پیسے کے مترادف یا متبادل الفاظ بکثرت ہیں۔اس کے علاوہ اردو سلینگ میں ایسے الفاظ کی موجودگی ہے جو فراڈ، دھوکے، لوٹنے، ٹھگنے اور مذاق اڑانے سے متعلق ہیں"۔[۲۷]

اردو زبان میں سلینگ کے استعمال کے حوالے سے اردو سلینگ لغت میں اردو میں مستعمل غیر ثقہ، غیر معیاری اور عامیانہ الفاظ کا تجزیہ ملتا ہے۔اس کتاب میں قاسم یعقوب سلینگ کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ

کینٹ، آرگو اور جارگن میں فرق بھی واضح کرتے ہیں۔ان کے مطابق آرگو زبان کا استعمال کہانی کاروں کے ہاں بھی ہوتا ہے۔سعادت حسن منٹو کے کئی کردار ایسے ہیں جو آرگو لفظ بولتے ہیں۔مصنف نے جیب کتروں اور بازی گروں کی زبان کو بھی سلینگ میں شامل کرتے ہیں۔انھوں نے مختلف لغات کا حوالہ بھی دیا ہے۔اس کی مثال فیروزالدین کی لغت فیروزالغات ہے جس میں لغت نویس نے بہت سے غیر معیاری الفاظ شامل کیے ہیں جو اب معیاری زبان کا حصہ بن چکے ہیں۔ قاسم یعقوب کے مطابق:

> سلینگ بولی نہیں ہوتی بلکہ سلینگ اور بولی میں فرق ہوتا ہے۔سلینگ معنی کی توسیع یا غیر معیاری اظہار کی صورت زبان بولنے والوں میں ہر وقت جنم لیتا رہتا ہے جبکہ بولی کسی بھی معیاری زبان کی داخلی تبدیلی کا عمل ہے۔[۲۸]

اگر اردو زبان میں سلینگ کی تاریخ کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان دونوں کتابوں میں سلینگ کے استعمال کی تاریخ نہیں ملتی بلکہ اردو زبان میں مروج سلینگ کے معنی اور استعمال کو بیان کیا گیا ہے۔لہذا یہ ضروری ہے کہ اردو زبان کی ابتدا سے اب تک کے سلینگ کے سفر کو تاریخ کے آئینے میں پیش کیا جائے۔

(ج) ایرک پارٹرج کا نظریہ سلینگ

اگر اکیسویں صدی میں زبانوں کے حوالے سے دیکھا جائے تو سائنس کے کرشمات نے زبان کی ترقی کی رفتار تیز کر دی ہے۔ کمپیوٹر نے قلم اور کاغذ کو الماری کی زینت بنا دیا ہے۔ کمپیوٹر کے شعبے میں ترقی نے لسانیات کے شعبے میں بھی بے شمار تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ زبان کی ساخت اور اس کی ترویج و ترقی کے بارے میں سائنسی انداز میں تحقیق ہونے لگی ہے۔ لسانی ڈھانچے اور لغتیاتی تجزیے کے لیے بھی جدید سائنسی انداز فکر اپنایا گیا ہے۔ اکیسویں صدی جہاں اپنی وراثت میں بہت کچھ لائی ہے وہاں اس کی وراثت میں سلینگ کا ایک بڑا ذخیرہ شامل ہے۔ مرزا اطہر بیگ پاکستان کے مشہور و معروف ناول نگار ہیں۔ اکیسویں صدی میں اردو زبان کے منظر نامے پر ان کی جو تحریریں سامنے آتی ہیں ان میں کثرت سے سلینگ کا استعمال ملتا ہے۔ ایرک پارٹرج (Eric Partridge) نے کسی بھی تحریر میں سلینگ کے استعمال کی وجوہات کا سائنسی انداز میں تجزیہ کیا ہے۔ ایرک پارٹرج ۶ فروری ۱۸۹۴ء میں نیوزی لینڈ میں پیدا ہوئے۔ پارٹرج برطانوی فرہنگ نویس کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ فرہنگ نویسی میں ان کی شہرت کی وجہ سلینگ کے استعمال کا تجزیاتی مطالعہ بنا۔

ایرک پارٹرج کی وفات کے بعد انگریزی اخبار دی نیو یارک ٹائم (The New York Times) میں ایک آرٹیکل شائع ہوا جس میں پارٹرج کی انگریزی زبان کی خدمات کو سراہا گیا۔ اس آرٹیکل کے مطابق ان کی وفات ۸۵ سال کی عمر میں جنوب مغربی انگلستان میں ہوئی۔ ایرک پارٹرج مشہور و معروف لغت نویس تھے جنھیں ایڈمنڈ ولسن (Edmund Wilson) الفاظ کا بادشاہ (The Word King) کہتے تھے۔ پارٹرج کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ آٹھ سال کی عمر میں لغت میں اپنے مسائل کا حل تلاش کر لیتے تھے۔ ان کے والد شہد کی مکھیاں پالتے تھے۔ ۱۹۰۷ء میں پارٹرج کا خاندان آسٹریلیا منتقل ہو گیا اور اس نے سولہ سال کی عمر میں ایک سکول میں پڑھانا شروع کر دیا۔ ۱۹۱۴ء The University of Queensland میں داخلہ لیا۔ جنگ عظیم اول کے شروع ہونے کی وجہ سے پارٹرج نے آسٹریلوی فوج میں شمولیت اختیار کی اور مغربی سرحد پر اپنی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۳ء کے درمیانی عرصے میں آکسفرڈ میں تعلیم حاصل کی۔ یونی ورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد پہلے سال بطور جونیر لیکچرار مانچسٹر یونی ورسٹی (Manchester University) میں اور دوسرے سال بطور مکمل

لیکچرار لندن یونی ورسٹی(London University)میں تدریس کی خدمات سر انجام دیں۔

ایرک پارٹرج نے سکالرٹز پریس(Scholartis Press) قائم کیا۔اگرچہ یہ پریس انھوں نے خود قائم کیا تھا اس لیے اس کے اشاعت میں ان کی بہت سی تحریریں سامنے آئیں۔وہ اپنے ایک ۱۹۷۴ء کے انٹرویو میں بتاتے ہیں کہ انھوں نے چار ہفتوں میں ایک ناول اور پانچ ہفتوں میں مختصر کہانیوں کا ایک مجموعہ تحریر کر لیا تھا۔وقت کے ساتھ ساتھ انھوں نے افسانوی ادب لکھنا چھوڑ دیا کیوں کہ ان کے نزدیک ناول لکھنا ایک مختصر لغت تحریر کرنے سے کہیں زیادہ آسان تھا۔

پارٹرج کے جو زبان پر مشہور مضامین تھے اس کی وجہ انھوں نے کسی ناشر سے معاہدہ کیا کہ وہ سلینگ کی تاریخ پر ایک کتاب تحریر کریں گے اس کے علاوہ انھوں اور بھی معاہدے کیے۔ہر دفعہ ان کا ناشر انہیں اتنی رقم دیتا کہ جس سے مشکل سے ان کی گزر بسر ہوتی تھی۔اس وجہ سے کافی مضطرب رہتے اور اس اضطراب کو مصنف کے لیے تباہ کن قرار دیتے۔مزید کہتے ہیں کہ میں امریکی یا برطانوی انگریزی کے بارے میں بات نہیں کرتا کیونکہ یہ ایک ہی زبان ہے۔ وہ انگریزی جو ہم بولتے ہیں ایک بولی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ان کی زبان پر مختلف بولیوں کا اثر تھا۔۱۹۷۳ء میں ان کا ایک پیچیدہ آپریشن ہوا جس سے وہ آہستہ آہستہ صحت یاب ہوئے۔زندگی کے نشیب و فراز نے انہیں تحریر و تخلیق کے لیے کم وقت دیا۔[۲۹]

اگرچہ زندگی نے ایرک پارٹرج کو تحریر و تخلیق کے لیے بہت کم وقت دیا اس کے باوجود ان کے بہت سی تحریریں اس جہان فانی میں موجود ہیں۔ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

- *Origins: A Short Etymological.*
- *Usage and Abusage: A Gide to Good.*
- *Shakespeare's Bawdy.*
- *Dictionary of Slang and Unconventional.*
- *Dictionary of the Underworld.*
- *A Dictionary of Catch Phrases.*
- *A Dictionary of Cliches.*
- *The Daily Telegraph.*
- *Eric Partridge in His Own Words.*

- A Dictionary of Traditional First.
- Smaller Slang Dictionary.
- You have a Point There.
- Short Slang Dictionary.
- Here, There and Everywhere.
- Slang Today and Yesterday.
- British and American English.
- Name your Child.
- The Daily Telegraph Dictionary of Tommies' Songs and Slangs.

ایرک پارٹرج کی تصانیف کی یہ فہرست انٹرنیٹ سے لی گئی ہے۔[۲۰]

Slang Today and Yesterdayسلینگ کے حوالے سے ایرک پارٹرج کی ایک اہم تصنیف ہے۔اس کتاب میں چار ابواب ہیں۔پہلے باب میں سلینگ کی تعریف،اس کے مترادفات،ابتدا،استعمالات ،استعمالات کی وجوہات اور سلینگ کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔دوسرے باب میں انگلش سلینگ کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔اس باب میں سولہویں صدی سے بیسویں صدی تک سلینگ کی تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے۔تیسرے باب میں سلینگ کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔غیر معیاری زبان اور سلینگ میں فرق کی وضاحت کی گئی ہے۔اس کے علاوہ لندنی زبان، سرائوں ،عام لوگوں ،تاجروں ،کاروباری افراد ،صحافت ،ادبی تنقید ،چھپائی ،قانون ،طب ، گرجا گھروں،سیاست،عوامی سکولوں،جامعات،فنون،تھیٹر،کھیلوں،ملاحوں اور سپاہیوں وغیرہ کے استعمال میں آنے والے سلینگ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔باب نمبر چار میں امریکن سلینگ کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔زیر نظر مقالے میں استعمال ہونے والا نظریاتی فریم ورک پہلے باب سے اخذ کیا گیا ہے۔

اس باب میں پہلے سلینگ کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے کہ سلینگ کو استعمال کرنا بہت آسان ہے کیونکہ بظاہر دیکھنے میں یہ سادہ سا لفظ ہوتا ہے مگر اس کی تعریف کرنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔سلینگ خانہ بدوشوں کی مخصوص زبان بھی ہو سکتی ہے لیکن آہستہ آہستہ یہ معیاری زبان کا حصہ بن جاتی ہے۔بعض اوقات ایک لفظ بولنے میں سلینگ ہوتا ہے مگر صورت حال کے بدلنے سے وہ لفظ سلینگ نہیں رہتا۔ایرک پارٹرج نے اس باب میں مختلف لغات کے حوالے سے بھی سلینگ کی تعریف بیان کی ہے جیسے آکسفرڈ لغت میں سلینگ کی تعریف کو پارٹرج نے اپنے

لفظوں میں کچھ یوں بیان کیا ہے کہ سلینگ خالص عوامی زبان کی ایک قسم ہے جو مروجہ معیاری زبان سے کم درجے کی ہوتی ہے۔ موجودہ اور نئے الفاظ کے ملاپ سے تشکیل پاتی ہے۔ ہوٹن کے مطابق سلینگ خانہ بدوشوں کی زبان ہے۔

پارٹرج نے اس باب میں سلینگ کی ابتدا، استعمالات، استعمال کی وجوہات اور سلینگ کی خصوصیات کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ ان کے مطابق سلینگ مقامی زبان کا رس، عرق یا جوہر ہوتا ہے۔ سلینگ اپنی تخلیق کے بعد مقامی زبان میں پرورش پاتا ہے۔ اس کی نشوونما کے لیے موزوں ترین حالات، جلسے جلوس، جوش و خروش کے لمحات اور مصنوعی زندگی ہوتی ہے۔ سلینگ کے استعمال کے بارے میں کہتے ہیں کہ سلینگ محض اپنی ذات کے اظہار کا ذریعہ نہیں ہوتے بلکہ یہ کسی بھی شخصیت کا مفہوم پیش کرتے ہیں۔ کوئی بھی شخص سوچتے سمجھتے ہوئے سلینگ استعمال کرتا ہے۔ اگر الفاظ کا استعمال احتیاط سے کیا جائے اور معنی کو مد نظر رکھا جائے تو سلینگ کا استعمال کم ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنی گفتگو میں بہت زیادہ اصطلاحات کا استعمال کرتا ہے تو وہ بہت زیادہ تعداد میں سلینگ استعمال کرتا ہے۔

اس باب میں ادب میں سلینگ کے استعمال پر تنقید بھی نظر آتی ہے کیونکہ یہ خالص زبان اور اس کے قواعد و ضوابط کے خلاف تشکیل پاتے ہیں۔ گفتگو میں سلینگ کا استعمال خوشگوار اثرات کا حامل نہیں ہوتا۔ یہ معنی کے خوبصورت روپ کو ختم کر دیتے ہیں جو ایک اچھے اسلوب کی بنیاد ہوتے ہیں۔ نقاد سلینگ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ایک Lazy Man کی Speech ہے۔ کچھ نقادوں کا کہنا ہے کہ سلینگ سخت، مضحکہ خیز استعاروں، مبہم مشبہات اور لغو الفاظ سے بنتے ہیں۔ اس تمام تنقید کے باجود سلینگ کا استعمال ہر طرح کی زبان میں جاری و ساری ہے۔

زیر نظر تحقیق میں ایرک پارٹرج کے سلینگ کے نظریے کی روشنی میں مرزا اطہر بیگ کی فکشن کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس نظریے کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

- ☆ یہ کسی خاص طبقے یا پیشے کی نمائندگی کے لیے مستعمل ہیں۔
- ☆ سلینگ صورت حال کی سنجیدگی کو کم کرتے ہیں۔
- ☆ مصنف اپنے آپ کو مختلف ثابت کرنے کے لیے ان الفاظ کا سہارا لیتا ہے۔
- ☆ یہ المیے کی شدت کو کم کرتے ہیں۔
- ☆ کسی تلخ حقیقت کے اقرار یا اس سے انحراف کے لیے مروج ہیں۔

☆ ان الفاظ کی بدولت زبان میں نئے اضافے ہوتے ہیں۔

☆ معاشرتی روابط کو سہل بناتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ شان الحق حقی،دی آکسفرڈ انگلش اردو ڈکشنری ،(پاکستان:آکسفرڈیونی ورسٹی پریس، ۲۰۱۲ء)ص۔

۲۔ کٹھ_بولی/https://ur.wikipedia.org/wiki -

۳۔ اینڈرسن،لارس گونر(Andersson,Lars Gunnar)اور پیٹر ٹرڈگل(Peter Trudgill)، *Bad Language*،(لندن:پینگوئن،۱۹۹۰ء)،ص۱۴۳۔

۴۔ https://www.alphadictionary.com/articles/what_is_slang

۵۔ رؤف پاریکھ،اولین اردو سلینگ لغت ،(کراچی:فضلی سنز،۲۰۰۶ء)،ص۱۶۔۱۷۔

۶۔ https://www.cambridge.org/core/books/cambridge-dictionary-of-english-grammar/CE0A0355C932DAB20A4B48B88CC67BD9

۷۔ قاسم یعقوب،اردو سلینگ لغت،(فیصل آباد:شمع بکس،۲۰۱۶ء)،ص۴۶۔

۸۔ جیولی کولمن(Julie Coleman)،*The Life of Slang*،(نیویارک:آکسفرڈیونی ورسٹی پریس،۲۰۱۲ء)،ص۱۔

۹۔ file:///C:/Users/core%20m/Downloads/429-1566-1-9PB.pdf۔

۱۰۔ قاسم یعقوب،اردو سلینگ لغت ،(فیصل آباد:شمع بکس،۲۰۰۱ء)،ص۴۶۔

۱۱۔ https://dictionary.cambridge.org/grammar/british-standard-language۔11grammar/standard-and-non-

۱۲۔ https://blog.e2language.com/dialect-and-language-differences/

۱۳۔ قاسم یعقوب،اردو سلینگ لغت،(فیصل آباد:شمع بکس،۲۰۱۶ء)،ص۴۷۔

۱۴۔ https://www.thoughtco.com/what-is-jargon-1691202

۱۵۔ قاسم یعقوب، اردو سلینگ لغت، (فیصل آباد: شمع بکس، ۲۰۱۶ء)، ص ۲۸۔
۱۶۔ https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/cant
۱۷۔ /https://literaryterms.net/buzzword
۱۸۔ https://www.differencebetween.com/difference-/between-slang-and-vs-colloquial
۱۹۔ رؤف پاریکھ، اولین اردو سلینگ لغت، (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۰۶ء)، ص ۱۵۔
۲۰۔ https://www.britannica.com/topic/slang/Diffusion-of-slang
۲۱۔ https://dukonference.lv/files/proceedings_of_conf/53konf/valodnieciba_literaturzinatne/Fasola.pdf
۲۲۔ https://blog.oup.com/2016/09/slang-word-origin
۲۳۔ https://www.gutenberg.org/files/42108/42108-h/42108-h.html
۲۴۔ https://www.academia.edu/37033932/Etymology_Of_Slang_Its_Origin_And_Definition
۲۵۔ https://www.newworldencyclopedia.org/entry/Slang
۲۶۔ https://k-international.com/blog/history-of-slang-words
۲۷۔ رؤف پاریکھ، اولین اردو سلینگ لغت (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۰۶ء)، ص ۱۶۔
۲۸۔ https://www.nytimes.com/1979/06/02/archives/eric-partridge-expert-on-english-and-lover-of-its-quirks-is-dead.htm
۲۹۔ https://www.thriftbooks.com/a/eric-partridge/224665
۳۰۔ ایضاً۔

باب دوم:

اطہر بیگ کے ناولوں میں سلینگ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

- غلام باغ۔۔۔صفر سے ایک تک۔۔۔حسن کی صورت حال

باب دوم:

غلام باغ میں سلینگ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

مرزا اطہر بیگ ضلع شیخو پورہ کے علاقے شرق پور میں ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ مرزا اطہر بیگ پاکستان کے مشہور و معروف ناول نگار، افسانہ نگار اور ڈرامہ نویس ہیں۔ انھوں نے پاکستان ٹیلی ویژن کے لیے متعدد اردو اور پنجابی ڈرامے لکھے جن میں دلدل، دوسرا آسمان، گہرے پانی، حصار، روگ، خواب تماشا، نشیب، خواہ مخواہ، یہ آزاد لوگ، پاتال، شکر دوپہر، کیٹ واک، دھند میں راستہ اور بے وزن لوگ شامل ہیں۔ غلام باغ ان کا وہ پہلا ناول ہے جو ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔

زبان انسان کے لیے اللہ کا خاص تحفہ ہے۔ زبان کا نظام مختلف آوازوں اور اشاروں سے تشکیل پاتا ہے۔ ادب لفظوں کی ایسی ترتیب ہے جو ہمارے سامنے ڈرامائی انداز میں کہانی اور صورت حال کو پیش کرتا ہے۔ کسی بھی ادب میں جذبات اور فکر کے کامل اظہار سے کاملیت پیدا ہوتی ہے اور معنویت زبان کے استعمال سے۔ فکشن کی دنیا میں اسلوب، لہجے اور موضوعات کے ساتھ ساتھ زبان بھی بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے کیونکہ زبان سے ہی متن کی نئی جہات کی تشکیل ہوتی ہے۔ زبان کے رنگوں کے بغیر تخلیقی کرداروں کا حسن ماند پڑ جاتا ہے۔

مشرف عالم ذوقی اپنے ایک مضمون "اردو ناول کی گم ہوتی دنیا" میں غلام باغ کی زبان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اس ناول میں ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں زبان کردار کے طور پر سامنے آتی ہے۔ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ دیوانگی بڑی حد تک ایک لسانی مسئلہ ہے۔ جب ہمارے لسانی نظام میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تب ہی دیوانگی کا اظہار ہوتا ہے۔ ناول میں بہت سی جگہوں پر یوں محسوس ہوتا ہے کہ زبان کرداروں کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے۔[1]

غلام باغ کو پڑھتے ہوئے قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ اردو زبان بولنے والوں کی دنیا کا باسی نہیں ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے غلام باغ میں زبان اور اسلوب کی سطح پر کئی تجربے کیے ہیں جیسے غیر روائتی زبان کا تجربہ۔ ایسے تجربے اردو ناول میں بہت کم ملتے ہیں۔ کوئی بھی ادبی تخلیق لفظوں کی دنیا سے جنم لیتی ہے۔ غلام باغ میں استعمال ہونے والی زبان اردو ناول کی تاریخ میں ایک دلچسپ اضافہ ہے۔ اردو ناول کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی

ہے کہ اردو ناول کی زبان روایتی اور یکسانیت سے بھرپور ہے مگر مرزااطہر بیگ نے اپنے ناولوں میں جو زبان استعمال کی ہے وہ ناول نگار کے خیالات و تصورات کا پوری طرح ابلاغ کرتی ہے۔ان کے ناولوں نے اردو افسانوی ادب میں استعمال ہونے والی تخلیقی زبان کو نئے امکانات سے روشن کروایا ہے۔مرزااطہر بیگ نے ناول میں بہت سے مقامات پر انوکھی اور منفرد اصطلاحات گھڑی ہیں۔

غــلام بــاغ میں مرزااطہر بیگ نے اردو زبان کے مروجہ اصولوں سے انحراف کیا ہے جس کی وجہ سے ان کے تمام ناولوں کے متن میں انوکھا پن اور تازگی پیدا ہو گئی ہے۔انھوں نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے نئے نئے تلازمات تشکیل دیے ہیں۔اپنی فکر کے اظہار کے لیے نئے نئے لسانی تجربے بھی تشکیل دیے ہیں۔اپنے ناولوں میں زبان کی توڑ پھوڑ بھی کرتے ہیں جس سے ان کے ناولوں کی زبان مروجہ اردو زبان کی ڈگر سے ہٹی نظر آتی ہے۔زبان کے اس انحراف سے ان کے ناولوں سے بہت سی نئی،انوکھی اور منفرد اصطلاحات سامنے آتی ہیں۔

انکوسٹ زبان کے مطالعے کے لیے The Deviation From the Norm کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ان کے ہاں نارم سے مراد زبان کے تسلیم شدہ اور مروجہ اصول وضوابط ہیں جن کی خلاف ورزی کو انحراف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔عام زبان ایک مقررہ ڈگر پر چلتی ہے اور مقررہ اصولوں پر کام کرتی ہے۔اس زبان کو جب کوئی شاعر یا ادیب اپنے تصرف میں لاتا ہے تو اس میں ندرت اور انوکھا پن پیدا کر دیتا ہے۔نئے لہجے اور اظہار کی تلاش میں وہ نئے نئے لسانی سانچے اور تلازمات تشکیل دیتا ہے اور زبان کی توڑ پھوڑ اور تراش خراش سے بھی کام لیتا ہے ۔اظہار کی جدتیں،نئے لسانی تجربے نیز تصرفات زبان کو ایک نہج پر قائم نہیں رہنے دیتے جس سے زبان اپنی مروجہ ڈگر سے ہٹ جاتی ہے۔زبان میں تصرف کے اس عمل کو لسانی انحراف کا نام دیا گیا ہے جو نئی زبان کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔[۲]

اردو ناول کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اردو ناول کی زبان عمومی ہونے کے ساتھ ساتھ یکسانیت سے بھرپور رہی ہے۔مرزااطہر بیگ کو یہ کمال حاصل ہے کہ انھوں نے اپنے ناولوں میں جو زبان استعمال کی ہے وہ ناول نگار کے تخیل کا بھرپور ابلاغ کرتی ہے۔یہ زبان بہترین ابلاغ کے ساتھ ساتھ کچھ ان کہی باتیں چھوڑ جاتی ہے جو قاری کے ذہن میں ہیجان برپا کرتی ہے۔ناول نے اردو افسانوی ادب میں استعمال ہونے والی تخلیقی زبان کو نئے امکانات سے روشناس کروایا ہے۔مرزااطہر بیگ نے اپنے ناولوں میں منفرد اور انوکھی اصطلاحات گھڑی ہیں۔

ڈاکٹر نجیبہ عارف نے ایک انٹرویو میں مرزا اطہر بیگ سے جہاں ان کی زندگی کے بارے میں اہم سوال کیے وہاں ان کی تحریروں میں منفرد زبان کے بارے میں بھی پوچھا۔ ان کے اس انٹرویو سے اقتباس نیچے دیا گیا ہے:

نجیبہ عارف: میں نے محسوس کیا ہے کہ بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات آپ بہت ثقیل علمی اصطلاحات کا استعمال کرتے ہیں لیکن ایک مضحکہ خیز انداز میں۔ مذاق اڑانے کے انداز میں۔ جس سے وہ سارا انٹلیکچوئل ماحول بالکل ridiculous سا لگنے لگتا ہے؟ تو کیا کوئی خاص مقصد ہوتا ہے آپ کا؟ یا یہ خود بخود اسلوب کا حصہ بن کر غیر شعوری طور پر آجاتی ہیں؟ یا پھر آپ جان بوجھ کر شعوری طور پر ایسا کرتے ہیں؟

مرزا اطہر بیگ: ہاں، وہ بالکل جان بوجھ کر شعوری طور پر کرتا ہوں۔ اور یہ میرے لیے ایک طرح سے irresistible ہے۔ اس لیے کہ mocking is something which is very strong in me اور جگہوں کی، افراد کی، خیالات اور نظریات کی جو sanctity ہے اس سے میں بالکل متاثر نہیں ہوتا۔ دو چیزیں میرے کام میں عام ہیں۔ ایک تو یہی mocking والا عنصر اور دوسرا جسے کہتے ہیں reflexivity یعنی falling back on yourself۔ مطلب writing on writing ہے جیسے۔۔۔ یہ مستقل ملتا ہے میرے تمام کام میں۔ کیونکہ اب کبیر کا جو کام ہے وہ بھی writing کے اوپر ہے۔ دوسرے ناول میں بھی اور اس میں بھی۔ reflexivity یا self-referentiality، یہ دو پہلو ہیں، جو پتا نہیں میری کمزوری ہیں یا کیا ہیں۔ دوسرا یہی جو mocking ہے کہ چیزوں کی جو absurdity یا ridiculous قسم کی جو possibility ہے، اس کو ضرور ساتھ چلانا ہے۔ یہ ہے، مجھے اعتراف ہے۔[۲۳]

غلام باغ بہت سے بڑے اور چھوٹے کرداروں پر مشتمل ہے لیکن یاور حسین، ڈاکٹر ناصر، ہاف مین، زہرا اور کبیر مہدی ناول کے مرکزی کردار ہیں جو کہانی کے شروع سے آخر تک اپنے وجود کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔ یہ تمام کردار زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ہر کردار کا اپنا الگ وجود ہے جس کے گرد ایک مختلف کہانی گھومتی ہے۔

یاور حسین مانگر جاتی قبیلے سے تعلق رکھنے والے ڈاکیے خادم حسین کا بیٹا ہے۔ خادم حسین سوکڑ نہر کے کنارے کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ اس زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنے اور باعزت زندگی گزارنے کے لیے انعام گڑھ آگیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یاور حسین جو گنجینہ نشاط نامی نسخہ ہاتھ لگنے کے بعد انعام گڑھ

سے شہر آجاتا ہے اور یہاں ایک عطائی بن جاتا ہے۔ گنجینہ نشاط میں ایسے نسخے تھے جو ہمیشہ مردوں کو جوان رکھتے اور ان کی جنسی طاقت میں اضافہ کرتے۔ بڑے بڑے تاجر، وزیر، بیوروکریٹس، مولوی اور صحافی اس کی مٹھی میں تھے۔ اس کے دو بیٹے اپنا بہترین کاروبار چلا رہے تھے۔ اس کی تمام تر اس ترقی کے باوجود اس کی بیوی اور بیٹے اس سے نفرت کرتے تھے۔

ڈاکٹر ناصر ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی رہائش اندرون لاہور ایک خستہ حال اور پرانے گھر میں ہے۔ وہ اپنے پیشے سے پوری ایمانداری سے وابستہ ہے۔ ناول میں کبیر کا بہترین دوست ہے۔ ناصر ناول کے آغاز سے ہی زہرا کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے جو عطائی یاور حسین کی بیٹی ہے۔ اس عشق میں ناکامی سے وہ اندرونی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے وارڈ میں غیر اخلاقی حرکت کے جرم میں پکڑا جاتا ہے اور ایک لمبا عرصہ جیل میں گزارتا ہے۔ ناصر کے بعد کبیر کا دوسرا دوست ہاف مین ایک جرمن آرکیالوجسٹ ہے۔ وہ پاکستان میں غلام باغ جیسے تاریخی مقام پر تحقیق کرنے کے لیے آیا ہوا ہے۔ ناصر اور کبیر اکثر غلام باغ کے کیفے میں بیٹھتے تھے اس وجہ سے ہاف مین کی دوستی ان کے ساتھ ہو جاتی ہے۔

زہرا ناول کا نسوانی کردار ہے۔ زہرا ایک باغی کردار ہے جو ہر وقت معاشرے کے ہر فرد سے لڑنے کو تیار ہے۔ وہ اپنی شناخت کے لیے انعام گڑھ کا سفر کرتی ہے۔ یاور عطائی کی وفات کے بعد اکیلی اپنے باپ کے گھر میں رہتی ہے۔ اپنی شناخت کے لیے انعام گڑھ میں مختلف تجربات سے گزرتی ہے۔ کبیر کے ساتھ اس کی وابستگی جب بڑھتی ہے تو وہ اپنے آپ کو بے اختیار محسوس کرتی ہے۔ اپنے اسی تعلق کی وجہ سے وہ آگ میں جھلستے ہوئے اولڈ بکس سٹور میں گھس کر کبیر کو بچا لیتی ہے۔

ناول کے مرکزی کردار کا نام کبیر مہدی ہے جو سنیمال کے ایک دیہات سے ہجرت کر کے بڑے شہر میں سندر روڈ پر موجود اولڈ بکس سکالر نامی ایک گھونسلے میں رہتا ہے۔ گھونسلے میں پرانی کتابیں ہیں جن کے درمیان کبیر سوتا ہے۔ وہ سارنگ، ابن بشر اور آدم زاد جیسے قلمی ناموں سے مختلف رسائل میں مضامین لکھتا تھا۔ اسے ہر مضمون میں اپنے موضوع پر مکمل گرفت ہوتی تھی۔ وہ اولڈ بکس میں آنے والی نئی پرانی کتابوں کی چھانٹی کرتا ہے۔ کبیر کے کردار میں پائی جانے والی کشمکش، انتشار اور اضطراب صرف ایک ادیب یا لکھاری کا نہیں ہے بلکہ یہ آج کے نوجوانوں کا ایک اہم مسئلہ ہے خاص کر ان نوجوانوں کا جو ہر لمحہ کچھ نہ کچھ سوچنا اور کچھ نیا کر دکھانا چاہتے ہیں۔ اپنی بہت سی ان گنت

خواہشات کے ساتھ کبیر ان جہان فانی سے کوچ کر جاتا ہے۔

مرزا اطہر بیگ نے غـــلام بـــاغ میں بہت سے سلینگ کا استعمال کیا ہے۔اب ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ

- مرزا اطہر بیگ نے معیاری اردو زبان کے ہوتے ہوئے اپنے ناول میں سلینگ کا استعمال کیوں کیا؟
- کیا غلام باغ کا بیانیہ یہ تقاضا کرتا تھا کہ ناول کے کرداروں کی جگہ اور وقت کی مناسبت سے سلینگ کا استعمال کیا جائے؟
- کیا کہانی میں زبان کو کردار کے طور پر پیش کرنے کے لیے سلینگ کا استعمال کیا؟
- کیا مرزا اطہر بیگ سلینگ کے استعمال سے اپنی تخلیقی قوت کا اظہار چاہتے تھے؟
- کیا سلینگ کے استعمال سے ان کا مقصد مزاح پیدا کرنا تھا؟

☆ یا مرزا اطہر بیگ نے سلینگ کا استعمال اس وجہ سے کیا کہ نچلی ذاتوں یا کمتر ثقافتوں میں سلینگ قسم کی زبان عام استعمال ہوتی ہے؟

اس طرح کے بہت سے سوالات ہیں جن کا جواب غلام باغ میں استعمال ہونے والے سلینگ کے تجزیے سے دینے کی کوشش کی جائیگی۔آکسفرڈ ڈکشنری میں سلینگ کی جو تعریف باب اول میں دی گئی ہے اس کے مطابق سلینگ سے مراد عامیانہ بولی، بے تکلف بولے جانے والے عوامی الفاظ، فقرے وغیرہ جو کسی خصوصی موضوع یا کسی مخصوص گروہ سے تعلق رکھتے ہوں۔جب سلینگ بطور فعل استعمال ہو تو اس کے معنی کسی کو گالی دینا اور فحش کلامی کرنے کے ہوتے ہیں۔غلام باغ کے متن میں ایسے بہت سے الفاظ موجود ہیں جو عام طور پر کسی مخصوص گروہ کے لوگ اپنی روز مرہ گفتگو میں استعمال کرتے ہیں جبکہ ایرک پارٹرج کے مطابق سلینگ خالص عوامی زبان کی ایک قسم ہے جو مروجہ معیاری زبان سے کم درجے کی ہوتی ہے، موجودہ اور نئے الفاظ کے ملاپ سے تشکیل پاتی ہے۔

ان تعریفوں کے مطابق غلام باغ کے متن سے سلینگ کی مثالیں:

پھٹیچر:

انتہائی خراب حالت، گھٹیا، کم درجہ پست، کم مرتبہ

TH 9174

گوری چٹی:

سرخ و سفید، خوبصورت عورتیں

گیلڑ:

سابق خاوند کی وہ اولاد جسے عورت اپنے دوسرے خاوند کے ہاں لائی ہو، کدھیڑا، سوتیلا

گیگلا:

بھولا، سادہ لوح، کم عقل، پھوہڑ

ٹٹ پونجیا:

تھوڑی پونجی والا، کم مایہ، دیوالیہ، ادنیٰ

بکواسی:

بکی، نہایت بکنے والا، زٹری، یاوہ گو

بک بک کرنا:

بیہودہ بکنا، خواہ مخواہ بولنا، جھک جھک کرنا، بکواس کرنا

ٹنڈا:

بن ہاتھ کا، ہاتھ کٹا، لنجہ، وہ شخص جس کا ہاتھ کہنی سے کٹا ہوا ہو

ٹھٹھے بازی:

مذاق، ہنسی، تمسخر، ظرافت، خوش طبعی، چھیڑ خانی

مرزا اطہر بیگ نے کمال مہارت سے غلام باغ میں وہ زبان استعمال کی ہے جو معیاری زبان کے درجے پر پورا نہیں اترتی لیکن یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ معیاری زبان ہی ہے۔ انھوں نے موجودہ اور نئے الفاظ کے ملاپ سے نئے الفاظ کی تشکیل ایسے کی ہے کہ ہماری یہ سوچ دم توڑتی محسوس ہوتی ہے کہ اردو زبان میں انگریزی الفاظ کے ترجمے کے لیے نئے الفاظ اور نئی اصطلاحات کی گنجائش موجود نہیں ہے۔ وہ انگریزی زبان کی لفظیاتی تشکیل کے انداز میں نئے لفظ گھڑتے ہیں۔ جیسے انگریزی زبان میں بلڈ سے بلڈی ہوتا ہے اسی طرح مرزا اطہر بیگ غرق سے غرکولا، پھڑک سے پھڑکولہ، الٹ سے الٹمولہ، جھنجھٹ سے جھنجھولہ، درد سے دردیلے، لذت سے لذیلیے اور جلیل القدر سے ذلیل القدر بنا

دیتے ہیں۔

غلام باغ کے متن میں بہت سے ایسے الفاظ موجود ہیں جنھیں عرف عام میں گالیاں کہا جاتا ہے۔ادب میں زبان کے نظریات کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ الفاظ سلینگ کہلاتے ہیں جو عامیانہ، بازاری، سوقیانہ، ناشائستہ ،متبذل، غیر ثقہ اور فحش ہیں۔پاکستان کی عام اردو زبان میں یہ گالیاں ہیں جو معیاری زبان کا حصہ نہیں ہو سکتیں۔غلام باغ کا پس منظر اور پیش منظر ایسا ہے اور اس کے کرداروں کا انتخاب ایسے مخصوص طبقوں اور علاقوں سے کیا گیا ہے جہاں روز مرہ زبان میں ایسے الفاظ عام استعمال ہوتے ہیں۔غلام باغ کے جو کردار گالیاں دیتے ہیں اس سے پاکستانی معاشرے کے برے رویے اور منفی سوچ سامنے آتی ہے۔اگرچہ گالیاں یا فحش الفاظ دنیا کی ہر زبان میں ہوں گے مگر ہندوستان اور پاکستان میں ہر طبقے کے لوگ ان الفاظ کا بہت زیادہ استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔غلام باغ کے کرداروں کے پس منظر میں گاؤں اور پیش منظر میں لاہور ہے۔جب یہ کردار گالیاں دیتے ہیں تو پاکستانی معاشرے میں پھیلا تعصب اور بداخلاقی بھی ہمارے تہذیب یافتہ ہونے پر سوال اٹھاتے ہیں۔ناول کے مرکزی کردار کبیر کے ساتھ ساتھ باقی کردار بھی اس فحش زبان کا استعمال کرتے ہیں۔ناول میں کبیر زیادہ تر گالیاں دینے کا عمل یورپی اقوام کے خلاف سرانجام دیتا ہے۔باقی کرداروں کی گالیاں پاکستانی معاشرے میں پھیلی بے چینی، اضطراب، انتشار اور بگڑے رویوں کی نشاندہی کرتی ہیں۔غلام باغ کے متن سے ان فحش الفاظ کی مثالیں درج ذیل ہیں:

عاشق علی: وہ مانتا نہیں لیکن حرامی نے ضرور مارا ہو گا بھائی کو۔[۴]

کبیر: کم بخت گورے کی بھڑک پر کس طرح پیشاب خطا ہوتا ہے ہم لوگوں کا۔[۵]

مدد علی: ایک تو اس حرام کے جنے چوکیدار نے پیچھے سے ایسا ہاتھ رسید کیا کہ ہوش ہی نہ رہا۔[۶]

یاور عطائی: میں کوئی ٹٹ پونجیا عطائی نہیں ہوں۔[۷]

خادم ڈاکیا: اپنی رجسٹری وصول کرو حرامزادو۔[۸]

مندرجہ بالوں جملوں میں حرامی، کم بخت، گورے بھڑک، حرام کے جنے، ٹٹ پونجیا اور حرامزادو سلینگ کی ایسی مثالیں ہیں جو اکیسویں صدی کی اردو فکشن کے منظر نامے پر آنے والی تبدیلیوں کی عکاسی کرتی ہیں۔اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عام لوگوں کی زبان بھی زبان کی ترقی وارتقاء میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔پاکستانی معاشرے میں گالی گلوچ کا

کلچر عام نظر آتا ہے حتیٰ کے پڑھے لکھے لوگ بھی اسی کلچر کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ حرامی، حرام کے جنے اور حرامزادے تو عام استعمال ہونے والے نازیباالفاظ ہیں جو مرزااطہر بیگ نے اپنی فکشن میں استعمال کیے ہیں۔ پاکستان میں اپنے غصے اور جذبات کا اظہار کرنے کے لیے لوگ اس غلیظ زبان کا سہارا لیتے ہیں اور اپنے مہذب ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ کچھ لوگ تو اس گالی گلوچ کے اتنے عادی ہوتے ہیں کہ ان کی گفتگو ان غیر مہذب الفاظ کے مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ ہمارے معاشرے کے پست ذہنی معیار کی علامت ہے۔ سلینگ ٹٹ پونجیا کا استعمال اتنا عام نہیں ہے جتنا کہ گالیوں کا ہے۔ کم بخت کا استعمال گالی کی ایک شکل ہے جو غصے کے اظہار کے لیے مستعمل ہے۔ بھڑک کا سلینگ غصے کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ گورے کا سلینگ عموماً مغربی ممالک کے باشندوں کے مروج ہے۔ان کی جسامت کا رنگ سفید ہونے کی وجہ سے لوگ انہیں گورے کہتے ہیں۔

زہرہ: مگر یہ شخص امبر جان تو کسی ایسے بوڑھے بلے کی طرح غلیظ ہے جس کی کھال لٹک جاتی ہے۔[۹]

ڈاکٹر ناصر: اس ذلیل آدمی کبیر کو بتاؤں گا۔[۱۰]

ہاف مین: گھٹیا، غیر مہذب، پسماندہ لوگوں کے میل ملاپ نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔[۱۱]

کبیر: یہ حس مزاح نہیں پرلے درجے کی بدمعاشی ہے۔[۱۲]

سسٹر مختار: حرامزدی پھر پاگل ہو گئی۔[۱۳]

زہرہ: ربڑ کے چہروں والے ان بڈھے مشٹنڈوں کو دیکھتے رہنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔[۱۴]

غلام باغ کے تمام کردار اپنی گفتگو میں سلینگ کا استعمال کرتے ہیں۔ڈاکٹر ناصر جس کا تعلق میڈیکل کے شعبے سے ہے وہ بھی اپنی گفتگو میں ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے جو مہذب گفتگو کا حصہ نہیں سمجھے جاتے۔ ذلیل، بدمعاشی، حرامزدی اور گھٹیا کا سلینگ تو لوگ عام بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ گالیاں ہمارے معاشرتی بگاڑ کا ثبوت ہیں۔اس غیر معیاری زبان کے استعمال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں شرم وحیا نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور ہمارے معاشرے میں تمیز اور سلیقے سے بات کرنے کا ڈھنگ باقی نہیں رہا۔ یہ کوئی مافوق الفطرت کردار نہیں جو اس طرح کی زبان استعمال کر رہے ہیں بلکہ ایسے کردار عام نظر آتے ہیں۔اس لیے ہم گالی گلوچ پر مشتمل زبان کو سماج کو مشتعل کرنے والی زبان کہہ سکتے ہیں۔ مشٹنڈے بھی پاکستانی معاشرے میں عام استعمال ہونے والا سلینگ ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے تو بڈھے

مشٹنڈے کا سلینگ استعمال کیا ہے جبکہ عام طور پر سرکاری مشٹنڈے، لفنگے مشٹنڈے، چار پانچ مشٹنڈے، صحت مند مشٹنڈوں اور ہڈ حرام مشتنڈوں کے سلینگ استعمال ہوتے ہیں۔ مشٹنڈے سے مراد اوباش، آوارہ اور بدکردار لوگ لیے جاتے ہیں جو معصوم لوگوں کا جینا حرام کر دیتے ہیں۔

کبیر: جاؤ اپنی بہنوں کے یاروں اس کنجری کو لے جاؤ اور باری باری سوؤ اس کے ساتھ۔[۱۵]

کبیر: یہ تو ایک خصی کلب ہے سر۔[۱۶]

کبیر: میری قلمی بے راہ روی (بدکاری، عیاشی، اخلاقی باختگی، فحاشی عریانی، بد معاشی) کی زد میں نہیں آئے۔[۱۷]

کبیر: ایبر وجینز عورتوں سے جسمانی تعلق قائم کرنے کا چسکا۔[۱۸]

گرٹریوڈ: میں نے اسے دیکھ لیا ہے ہاف مین اس کتیا کو جس نے تمہیں نامرد بنادیا تھا۔[۱۹]

شخص: پارو گڑھ جا کر نامی سردار حیات پگل کے ساتھ رات جا کر سوئی اور اس کا نفس کاٹ کر بھاگ گئی، وہ تو اپنے خصم کے ساتھ بھاگ گئی۔[۲۰]

مندرجہ بالا جملے غلام باغ کے متن سے لیے گئے وہ جملے ہیں جن میں مختلف کرداروں نے وہ فحش الفاظ اور گالیاں استعمال کی ہیں جنھیں سلینگ کہا جاتا ہے۔ ان جملوں میں گشتی، مشٹنڈوں، بہن کے یارو، کنجری، خصی کلب، بدکاری، عیاشی، اخلاقی باختگی، جسمانی تعلق، کتیا، نفس اور خصم فحش الفاظ اور گالیاں ہیں۔ کوئی بھی ناول معاشرے کی ظاہری اور داخلی کیفیات کا عکس پیش کرتا ہے۔ غلام باغ بھی پاکستانی معاشرے میں چلتے پھرتے کردار نظر آتے ہیں جو اپنی اپنی زندگیوں سے کسی حد تک ناآسودہ ہیں۔ فحش الفاظ کا استعمال معاشرے کے لیے ایک خطرناک برائی ہے ۔ناول کے مطالعے سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سب کردار اپنی انا کی تسکین کر رہے ہوں۔ کبیر ہمیشہ یورپی اقوام کو گالیاں دے کر اپنی انا کو تسکین پہنچاتا ہے۔ ناول کے مختلف کردار طیش اور غصے میں آ کر اپنے جذبات کا اظہار کرنے کے لیے اس بیہودہ زبان کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کی زندگی کی ناکامیاں اور مایوسیاں ان کی تہذیب کی دھجیاں بکھیر دیتی ہیں۔ ناول میں پاکستانی معاشرے کی اخلاقی صورت حال کی منظر کشی بہت دلچسپ انداز میں کی گئی ہے۔

ایرک پارٹرج کے نظریے کے مطابق کوئی بھی مصنف سلینگ کا استعمال کسی مخصوص طبقے یا پیشے کی

نمائندگی کرنے کے لیے کرتا ہے۔غلام باغ میں ہمیں تین طرح کے طبقات ملتے ہیں۔ہاف مین اور گرٹریود کا تعلق اعلیٰ طبقوں اور نسلوں سے ہے۔ہاف مین جرمن اور گرٹریود آسٹریلوی ہے۔ان دونوں کرداروں کا تعلق اعلیٰ نسلوں سے ہے اور اعلیٰ نسلیں ہی اعلیٰ طبقات کی نمائندہ ہوتی ہیں۔پاکستانی کرداروں کا تعلق پاکستانی معاشرے سے ہے جو تیسری دنیا کا معاشرہ ہے۔یورپی اقوام تیسری دنیا کی اقوام کو بدتہذیب، گھٹیا، کاہل، سست اور کمتر سمجھتی ہیں۔ گرٹریود اور ہاف مین بھی مقامی لوگوں کے لیے سلینگ استعمال کرتے ہیں۔ گرٹریود زہرہ کو مقامی کتیا کہتی ہے اور کہتی ہے کہ مجھے مقامیوں سے بو آتی ہے اور مقامی لوگوں کو پاگل سمجھتی ہے۔ گرٹریود کہتی ہے:

> بند کرو۔۔۔ بند کرو۔۔۔ یہ بکواس۔تم لوگ مجھے پاگل کر دوگے۔یہ جگہ مجھے پاگل کر دے گی۔یہ۔۔۔یہ۔۔۔شیطانی۔۔۔ منحوس۔۔۔غلیظ جگہ۔[۲۱]

مرزا اطہر بیگ ناول میں ارزل نسلوں کی کہانی سناتے ہیں جو ارزل طبقات پر مشتمل ہے۔یاور عطائی، عاشق علی، مدد علی، زہرہ، ناصر اور کبیر کا تعلق ارزل طبقوں سے ہے۔نواب ثریا جاہ نادر جنگ، امبر جان، پگل اور سالار اعلیٰ طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔غلام باغ انہی کرداروں کی تاریخی اور تہذیبی زندگیوں کی مسرت و بصیرت اور غم والم کو پیش کرتا ہے۔مرزا اطہر بیگ نے ناول کی زبان اور کہانی کے ذریعے ہی طبقاتی صورت حال کو پیش کیا ہے۔ہر کردار اپنے طبقے کی زبان بولتا ہے۔غلام باغ میں لاہور شہر سے تعلق رکھنے والے، انعام گڑھ سے اور سنمیال کی زندگی سے تعلق رکھنے والے کرداروں کی زندگی بیان کی گئی ہے۔مرزا اطہر بیگ کو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے۔اسی لیے ناول کی نثر میں سلینگ کا استعمال اسے مزید دلچسپ بنا دیتا ہے۔

گورا، گوری، گوری میم اور گورا صاحب ایسے سلینگ ہیں جو نوآبادیاتی دور میں تشکیل پائے۔یہ سلینگ ہندوستان کی مقامی زبانوں میں انگریزوں کے لیے استعمال ہوتے تھے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ معیاری زبان کا حصہ بن گئے۔پاکستان یورپی اقوام کی سابقہ نوآبادی ہے جس میں آج بھی یورپی اقوام کے لیے یہی الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔غلام باغ کا چوکیدار ہاف مین کے بارے میں کہتا ہے:

> یہ گورا صاحب غلام باغ میں عرصے سے کوئی کام کر رہا ہے۔[۲۲]

اگرچہ چوکیدار نے ہاف مین کو عزت سے مخاطب کرنے کے لیے سلینگ کا استعمال کیا ہے جبکہ کبیر اس

سلینگ کا استعمال یورپی اقوام کے خلاف اپنی نفرت کے اظہار کے لیے کرتا ہے۔ایسی ہی صورت حال نوآبادیاتی ہندوستان میں بھی تھی۔بقول کبیر:

کم بخت گورے کی بھڑک پر کس طرح پیشاب خطا ہو جاتا ہے ہم لوگوں کا۔[۲۳]

مزید مثالیں:

نور داد کی دادی کی نانی کی پر نانی غدر میں بچھڑی ہوئی ایک گوری میم تھی۔[۲۴]

خادم حسین اور یاور حسین کا تعلق انعام گڑھ سے ہے اور اس کی گفتگو ان کے کرداروں کے مطابق ہے۔ان کی زبان پر مقامی زبان کے اثرات ہیں اسی لیے وہ سلینگ کا ستعمال کرتے ہیں۔خادم حسین کی کہانی اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہوئے مرزا اطہر بیگ سلینگ کا استعمال کچھ اس طرح سے کرتے ہیں:

نسلوں تک کا چھروں اور پگلوں کے دھان کے کھیتوں میں جسمانی مشقت اکا دکا چوری چکاری اور عزت دار گھروں کی صفائی ستھرائی کر کے پیٹ پالنے والی اس ارزل نسل میں اچانک کوئی شخص کبھی کبھار اپنے نسلی گراف کو تھوڑا اوپر لے جاتا تھا اور کسی چھوٹی موٹی سرکاری ملازمت تک بھی پہنچ جاتا۔[۲۵]

اس نے مانگر جو چھوڑی اور انعام گڑھ کے محلہ پکھیاں کے ایک ٹوٹے پھوٹے کھولی جیسے مکان میں کرائے پر آبسا۔[۲۶]

لیکن یاور جو حاکو کانٹے والے، ماسٹر کرم الٰہی اور قصے پڑھنے والے پیراں دتے کی لڑی سے تھا۔[۲۷]

اوپر دیے گئے جملوں میں خادم حسین ڈاکیا، یاور حسین عطائی اور نوازش علی ایسے کردار ہیں جن کی گفتگو سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ پسماندہ علاقوں اور ارزل نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کرداروں کی زبان سے یوں لگتا ہے کہ ہمارے معاشرے کی ان نسلوں کی زبان گالی گلوچ، جگت بازی اور بازاری زبان بن گئی ہے۔ان کی زبان سے ان کی ثقافت، ماحول، رہن سہن، رسم و رواج، معاشرت، تہذیب و تمدن اور سماجی اقدار کی عکاسی ہوتی ہے۔چونکہ ان کرداروں کا تعلق دیہات سے ہے اس لیے عام طور پس پاکستان کی دیہی علاقوں میں مادری زبان استعمال ہوتی ہے جس میں سلینگ کا کثرت سے استعمال ملتا ہے۔

خادم حسین خود اپنے بارے میں یاور حسین کو بتاتا ہے:

یہ اچھا ہے یارے پتر تم بھولے نہیں۔ہم نکھد قوم ہیں۔ پنچ۔ذلیل۔مانگر جاتی انعام گڑھ کی گندی نالیوں کا سڑا ہو گند۔[۲۸]

یاور حسین کا بھائی نوازش علی کہتا ہے:

بڑی گھو کی چڑھ رہی ہے۔میں تو سوتا ہوں۔[۲۹]

کبیر کی گفتگو میں سلینگ کے استعمال کی مثالیں:

اسی لیے عاشق کی محبوب کے سامنے گھگھی بندھ جاتی ہے۔[۳۰]

میرے دل کی سب مرادیں ان پہنچے ہوئے گورے چٹے ولیوں نے ہی تو پوری کرنی ہیں۔[۳۱]

نواب صاحب کی گفتگو سے سلینگ کی مثال:

میرا اس جرمن یونی ورسٹی کی انتظامیہ کی عقل پر ماتم کرنے کا جی چاہتا ہے جس نے تم جیسے توہم پرست لفنگے کو غلام باغ پر ریسرچ کے لیے بھیج دیا۔[۳۲]

اوپر دیے گئے جملوں میں خادم حسین اور یاور حسین تو عام اور ان پڑھ کردار ہیں۔ان سے ہم توقع کر سکتے ہیں کہ ان کی گفتگو پر مقامی زبان کے اثرات زیادہ ہوں گے لیکن کبیر مہدی اور نواب صاحب پڑھے لکھے اور مہذب طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔نوابوں کا تعلق ہمشہ اشرافیہ اور حکمران طبقے سے رہا ہے۔اگرچہ نواب طبقہ عمومی طور پر بہت مہذب اور شستہ زبان استعمال کرتا ہے مگر ان کو بول چال اور گفتگو پر بھی سلینگ کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔مرزا اطہر بیگ نے غلام باغ میں نواب کے کردار سے متعلق جو زبان استعمال کی ہے وہ رسمی زبان کی طرح محاوراتی اور معیاری نہیں ہے۔

پولیس والوں کی گفتگو میں استعمال ہونے والے سلینگ کی مثالیں:

اوپر سے یہ رن۔۔۔۔یہ تو اپنا یار صاف چھڑا کر لے جائے گی۔[۳۳]

ویسے گلے تیری پہچان بڑی قاتل ہے۔بڑی تاڑو نظر ہے تیری۔[۳۴]

زہرہ نواب ثریا جاہ نادر جنگ کے بارے میں کہتی ہے:

شکی، گھنا، کمینہ، چھپ کر وار کرنے والا، کمزور کو کبھی نہ بخشنے والا اور طاقت ور کے تلوے چاٹنے والا۔[۳۵]

کیفے غلام باغ کے نشئی گاہک کی زبان سے سلینگ کی مثال:

وہ حرامی کے پلے اور پلی انگریزی بول رہے تھے۔[۳۶]

یہ ان کرداروں کی زبان ہے جو ارزل نسلوں کے معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ چونکہ یہ گھٹیا معاشرے اور تہذیب و ثقافت سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے زبان بھی ایسی ہی استعمال کرتے ہیں۔ مرزا اطہر بیگ نے جو سلینگ ان کی گفتگو میں استعمال کیے ہیں وہ کوئی ادیب سوچ تو سکتا ہے مگر لکھ نہیں سکتا۔ کبیر اور دیگر کرداروں کی زبان میں سلینگ کا استعمال ناول کو منفرد بنا دیتا ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے سلینگ کو اتنی فنی مہارت سے متن کا حصہ بنایا ہے کہ اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ جیسے پولیس والے قانون نافذ کرنے والے معزز پیشے سے تعلق رکھتے ہیں وہ عموماً پولیس اسٹیشن پر ایسی ہی نازیبا اور گھٹیا قسم کی زبان استعمال کرتے ہیں۔ عورت کو جب حقارت کی نظر سے دیکھنا ہو اور کسی مرد کے حوالے اس کے بارے میں بات کرنی ہو تو رن اور یار کے سلینگ عام استعمال ہوتے ہیں۔ اگر خادم حسین کے کردار کے حوالے سے سلینگ کے استعمال کا تجزیہ کیا جائے تو یہ اس کے طبقاتی زندگی کے عین مطابق ہیں۔ خادم حسین کا تعلق مانگر جاتی قبیلے سے ہے جو الٹے پیالے جیسے خیموں میں رہتے ہیں۔ کتے، بلیاں، سانپ، چھپکلے اور کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔ خادم حسین اپنے نسلی گراف کو اوپر اٹھانا چاہتا ہے اور انعام گڑھ میں مکان کرائے پر لے لیتا ہے۔ مرزا اطہر بیگ خادم حسین کی کہانی بیان کرتے ہوئے کثرت سے سلینگ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً جو چھوڑی، ٹوٹے پھوٹے کھولی جیسے مکان، لڑی سے تھا، بتی، تیڑیوں، نکھد قوم، بیچ ذلیل، گندی نالیوں کا سڑا ہوا گند، وڈے وڈیرے، گنوار، اجڈ، کونوں کھدروں، کمی کمین، پھوڑی، جیا جنت، جاگو میٹی وغیرہ خادم حسین کے کردار کے تناظر میں استعمال ہونے والے سلینگ ہیں۔ کبیر اپنی گفتگو میں بہت زیادہ مقامی زبان کے الفاظ استعمال کرتا ہے کیونکہ اس نے بھی اپنا بچپن سنمیال نامی ایک گاؤں میں گزارا ہے۔ سنمیال ایک نیم پہاڑی گاؤں ہے۔ کچھ لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں اور کچھ نمک یا کوئلے کی کانوں میں کام کرتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کبیر کا تعلق روایتی قسم کے گاؤں سے ہے۔ کبیر کے بیانیے میں ہر طرح کا سلینگ ملتا ہے۔ کبیر کے استعمال کردہ کچھ سلینگ چٹی چمڑی، گورا بدن، کالا جادو، بڑھک، گھگھی، یکدم چڑھ گیا، جھک مارنا، کھٹا کسیلا، چٹا سائیں، ننگ منگا، گورے چٹے ولیوں، لمبے تڑنگے، پنگا، چسکا، ملیا میٹ، گند بلا، ننگ

منگے، ڈنڈ بیٹھکیں، کچھڑی، منکے ٹونے، گیگلا، مائیاں، تگڑی آسامی اور کھلم کھلا ہیں۔ ان مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرزا اطہر بیگ نے سلینگ مختلف طبقوں کی نمائندگی کے لیے استعمال کیے ہیں۔

ایرک پارٹرج کا سلینگ کے استعمال کے بارے میں یہ بھی کہنا ہے کہ یہ صورت حال کی سنجیدگی کو کم کرتے ہیں۔ غلام باغ میں سلینگ کے استعمال کے مطالعے سے یہ پتا چلتا ہے کہ کہانی میں بعض اوقات ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے جو سنجیدہ اور سنگین ہوتی ہے۔ مرزا اطہر بیگ جب صورت حال کی سنجیدگی کو کم کرنے کے لیے سلینگ استعمال کرتے ہیں تو صورت حال کی سنجیدگی کم ہونے کے ساتھ ساتھ مزاح کا عنصر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مضحکہ خیز صورت حال سے قاری بھی ہنسنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کبیر کی بے وقت کی جانے والی لفظوں کی تکرار سے لطیف مزاح پیدا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ناول میں نئے لفظوں کی ایک لغت موجود ہے جیسے کبیر ایک جگہ "بھوگ بلاس" استعمال کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اس کے معنی ہیں عیش و عشرت، سرور و انبساط، رنگ رلیاں، جشن شادمانی، لطف زندگانی، زندگی کے مزے، خواہشات کا پورا کرنا، راگ رنگ، گانا ناچنا، کھیل کود، لہو ولعب وغیرہ۔ کبیر کے لفظوں کی اپنی ہی ایک دنیا ہے جن میں سلینگ کا استعمال صورت حال کو نیا رنگ دے دیتا ہے۔

ننگا افلاطون میں وہ بہت مضحکہ خیز اور طنزیہ انداز میں ایک مقامی سائیں کی کہانی بیان کرتا ہے جسے وہ ننگے افلاطون کا نام دیتا ہے۔ مقامی آبادی کے لوگ اسے چٹا سائیں کہتے ہیں۔ چٹا سائیں سنمیال وادی کی کھوہ میں ایک زندہ پیر ہے جو لوگوں کی منتیں مرادیں پوری کرتا ہے۔ لوگوں کو تو بس چٹے سائیں کی گالیوں کی ضرورت ہے۔ ایک روایت کے مطابق چٹا سائیں جس پانی کے پیالے میں تھوکتا ہے اگر لوگ وہ پانی پی لیں تو ان کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ چٹا سائیں کے آباؤ اجداد میں غدر میں بچھڑی ہوئی گوری میم بھی تھی جس کے جینز اس میں منتقل ہوئے اور مقامی ہندوستانیوں کے ہاں گورا چٹا بچہ پیدا ہو گیا۔ اس بچے کے والدین مقامی ہندوستانیوں کی طرح سانولے رنگ کے تھے۔ اس بچے کی پیدائش سے وہ ڈر گئے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ ان کا بچہ نہیں ہے اس خوف سے وہ انہیں پہاڑی غار میں چھوڑ آئے۔ اس بچے نے وہیں پرورش پائی اور چٹا سائیں کے نام سے جانا جانے لگا۔ کبیر بہت دلچسپ اور مزاحیہ انداز میں چٹا سائیں کی روداد سناتا ہے۔ ننگا افلاطون سے سلینگ کے استعمال کی مثالیں:

نوراداد بہت عرصے سے یہ چاہتا تھا کہ چٹا سائیں مر جائے۔۔۔۔ اور زندہ چٹے سائیں کو تین ٹیم روٹی

کھلانے کے مشکل کام اور ہفتے میں اسے دو بار صاف ستھرا کرنے کے گندے کام سے جان چھوٹ جائے۔[۳۷]

گھاس پھوس پر لیٹا زور زور سے ٹانگیں چلاتا تھا اور اندر آنے والوں کو نیلی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ بچہ کچھ کھائے پیے بغیر "ننگ منگا"۔[۳۸]

یہ چٹا بچہ اس گوری میم کا خون تھا۔[۳۹]

پھر ایک سوٹڈ بوٹڈ شرمندہ شرمندہ سا شہری نوجوان آیا۔[۴۰]

ناول میں سلینگ کے استعمال سے جو مزاح پیدا ہوتا ہے اس سے قاری ناول کو بہت دلچسپی سے پڑھتا ہے اور پورے ناول میں کہیں بھی بوریت محسوس نہیں کرتا۔ غلام باغ کی کہانی اپنے جزئیات میں واقعات کا ایسا تانا بانا بنتی ہے جس سے ہنسی کو تحریک ملتی ہے۔ واقعات کی مضحکہ خیزی اور ضمنی واقعات میں سلینگ کی آمیزش ناول کی کہانی کو مضحک بنانے میں مدد دیتی ہے۔ کہانی کے گہرے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ غلام باغ ارزل نسلوں کا المیہ ہے۔ ارزل نسلوں کو زندگی گزارنے اور اپنے آپ کو ثابت کرنے کے لیے نسلی امتیاز کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ارزل نسلوں کا یہ المیہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود طاقت ور لوگوں کے غلبے سے ہار جاتی ہیں۔ مرزا اطہر بیگ نے اس ناول میں سلینگ کے استعمال سے اس سنگین اور سنجیدہ صورت حال کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔

سلینگ المیے کی شدت کو کم کرتے ہیں۔ ناول میں کئی دفعہ المناک صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ یاور عطائی کی ڈرائینگ روم کی دنیا کے آنکھوں دیکھے حال سے ہی زہرہ کی المیہ زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ چھپ کر دیکھتی ہے کہ اس کا باپ بڈھے مشٹنڈوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔ ان بڈھے مشتنڈوں میں بڑے بڑے حکومتی عہدے داران، سیاست دان، پیسے والے، علم والے، طاقت والے اور فن والے شامل ہیں۔ ڈرائینگ روم میں موجود یہ بیس پچیس مرد خصی ہیں جن کی جنسی طاقت میں اضافے کے لیے یاور عطائی مختلف قسم کی بوٹیوں سے ادویات تیار کرتا ہے اور یہ سب مرد بیمار عطائی کی پوجا کرتے ہیں۔ عطائی کے ڈرائینگ روم کی دنیا کے مشاہدے سے ہی زہرہ میں اپنی نسلی شناخت کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ بڑھا امبر جان اپنے نشے میں دھت ڈرائینگ روم کے ساتھ والے کمرے میں جاتا ہے اور زہرہ کو اپنی جنسی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یاور عطائی یہ سب دیکھ کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے

اور اس جہان فانی سے کوچ کر جاتا ہے۔ قاری ان ابواب کو پڑھتے ہوئے اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا بلکہ ناول نگار کی منفرد زبان و بیاں سے لطف واندوز ہوتا ہے۔ ڈرائینگ روم سے سلینگ کے استعمال کی مثالیں:

مگر پھر زہرہ نے اپنے دل کو ڈھارس دی کہ وہ صرف یہی تو کرنا چاہتی تھی کہ ڈکشنری میں اس منحوس۔کٹھے پٹھے اٹکتے کھٹکتے لفظ۔۔۔مشتنڈا کے معنی ہی تو دیکھنا چاہتی تھی۔[۴۱]

جہاں مقالے کی ابلاغیات تتر بتر ہو جاتی تھی اور شرکائے مکالمہ کو اپنی اپنی پڑ جاتی تھی۔[۴۲]

فلمی ہیروئنوں جیسی یہ لڑکی ان تینوں لفنگوں میں سے کس نے پھنسائی ہے۔[۴۳]

یہ لفظ پنگا بھی عجیب ہے۔[۴۴]

ناول کا دوسرا المیہ اس وقت سامنے آتا ہے جب امبر جان کے کرائے کے بد معاش کبیر کو زندہ جلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کرائے کے قاتل پٹرول کا کنستر ڈال کر کبیر کے گھونسلے کو آگ لگا دیتے ہیں۔ گھونسلے کے نچلے حصے میں محو خواب بوڑھا امداد حسین چوکیدار کی آواز پر اٹھا اور ناصر اور زہرہ کو فون کیا کہ کسی نے کبیر کے گھونسلے کو آگ لگا دی ہے۔ ناصر اور زہرہ کو دیکھتے ہی امداد حسین رونے لگا کہ اسے بچا لو میں تو بزدل اور لعنتی ہوں۔ زہرہ نے اپنے جسم کے گرد کمبل لپیٹا اور بھسم کر دینے والی آگ میں اتر گئی اس کے پیچھے ناصر بھی آگ میں کود گیا۔ ناصر اور زہرہ جھلسے ہوئے کبیر کو اپنے بازوؤں پر پھیلائے باہر لے آئے۔ اس واقعے کے بعد کبیر لکھ نہیں سکتا مگر زہرہ اس کا ہاتھ بن کر اسے لکھنے میں مدد دیتی ہے۔ اس المیے کو بیان کرتے ہوئے مرزا اطہر بیگ درج ذیل سلینگ استعمال کرتے ہیں:

سراج دین کے ذہن کا یہ جسمانی موازنہ کہ ٹھڈا تھپڑ سے زیادہ مہلک ثابت ہوتا ہے۔[۴۵]

سکالرز اولڈ بکس شاپ کے نچلے حصے میں محو خواب بوڑھے امداد حسین کو جب دروازہ پیٹنے اور چوکیدار کے خوفناک واویلے اور آگ آگ کی آوازیں آئی تھیں۔۔۔مالک مکان کے لیے ہاہاکار مچی تھی۔[۴۶]

زہرہ نے شوخی سے کہا، ویسے کیا یہ اتنا ہی کافی نہیں لنگڑے بھوگ بلاس۔ بلکہ اب تو لولے بھی۔[۴۷]

اڑیل خواتین کو رام کرنے کے فنکار۔۔۔ایک بار انھوں نے مجھے توڑا کرنے کا مشورہ دیا تھا۔[۴۸]

ایرک پارٹرج کے مطابق کوئی بھی مصنف اپنے آپ کو مختلف ثابت کرنے کے لیے سلینگ کا سہارا لیتا ہے۔

غلام باغ اپنی زبان کی وجہ سے اردو ناول کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں اداس نسلیں اور آگ کا دریا جیسے عظیم ناولوں کی صف میں کھڑا نظر آتا ہے۔اس ناول کو اردو زبان و ادب کا انوکھا اور منفرد ناول قرار دیا جاتا ہے جس کی وجہ اس میں استعمال ہونے والی زبان کی رنگینی ہے۔اس حوالے سے عارف و قار بی بی سی ڈاٹ کام پر غلام باغ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> اردو کے جو ناقدین ناول کو اس زبان کی ایک یتیم صنف قرار دیتے ہیں اور آگ کا دریا اور اداس نسلیں کو بھی رعایتی نمبر دے کر ہی پاس کرتے ہیں۔ان کے لیے یہ خبر اگر خوشی کا نہیں تو حیرت و استعجاب کا سبب ضرور بنے گی کہ اب اردو زبان میں ایک ایسا ناول تخلیق ہو گیا ہے جو ناقدین سے رعایتی نمبروں کا تقاضا تو نہیں کر رہا لیکن پوری توجہ اور انہماک سے،اپنی ہمہ جہتی کے ساتھ اپنے مطالعے کا طلب گار ضرور ہے۔[۴۹]

اردو ناول کی تقریباً ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں بہت کم ایسے ناول لکھے گئے ہیں جن میں غلام باغ جیسی منفرد زبان استعمال ہوئی ہو۔غلام باغ کی زبان کی یہ انفرادیت ہے کہ اس میں سلینگ کا کثرت سے استعمال ہے۔مرزا اطہر بیگ نے سماجی کشمکش اور طبقاتی آمیزش کو زیادہ دلچسپ بنانے کے لیے سلینگ کا استعمال کیا ہے اور یوں محسوس ہوتا کہ کبیر کوئی مقامی قصہ گو ہے جو اردو زبان سیکھ چکا ہے۔اس کے لاشعور میں میں سنمیال کی مقامی زبان کے الفاظ گردش کرتے رہتے ہیں۔کبیر زبان کا تخلیقی استعمال کچھ اس طرح کرتا ہے کہ وہ انسانی جذبات کو چھونے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ناول نگار کو ناول کے قصے،کہانی اور ماحول کو جیتی جاگتی تصویروں میں پیش کرنے کے لیے زبان کا سہارا لینا پڑتا ہے۔اگر ناول نگار کا اسلوب بیاں غیر دلچسپ ہے تو قاری بھی ایسے متن سے اکتانے لگتا ہے اور اس کا تجسس ختم ہو جاتا ہے۔غلام باغ کی زبان انتہائی منفرد ہے اس میں پنجابی،انگریزی اور مقامی زبانوں کے الفاظ جا بجا ملتے ہیں،مثلاً کنوئیں کی جگہ کھوہ کا لفظ اور جل کر راکھ ہونے کی بجائے سڑ کے سواہ ہونا استعمال کرتے ہیں۔اس کے علاوہ کہیں کہیں ہندی الفاظ کا ستعمال بھی ملتا ہے۔زبان کے اس طرح کے استعمال سے ناول کا طرز تحریر اور اسلوب منفرد ہو جاتا ہے ۔غلام باغ کی طرز تحریر اور زبان و بیان کی مثال ملنا مشکل ہے۔غلام باغ ایک انوکھی ادبی تخلیق ہے جس کی زبان بعض اوقات قاری کے لیے متھ بن جاتی ہے اور قاری زبان کی بھول بھلیوں میں مرکزی کہانی کو گم ہوتا محسوس نہیں

کرتا۔

ایرک پارٹرج کے مطابق سلینگ کی بدولت زبان میں نئے اضافے ہوتے ہیں۔زبان انسانوں سے زندہ رہتی ہے اور انسان زبانوں سے۔زبان کی ترقی ہی قوموں کی ترقی کی وجہ بنتی ہے۔دنیا کی باوقار قومیں ہمیشہ اپنی تہذیب و ثقافت اور اپنی زبان کو سینے سے لگا کر رکھتی ہیں ان کی قدر کر کے فخر محسوس کرتی ہیں۔لیکن ہماری قوم کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہم اپنی قومی زبان کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔دنیا کی جتنی اقوام نے ترقی کے مدارج طے کیے انھوں نے ہمیشہ اپنی ثقافت اور قومی زبان کو ترقی دی۔پاکستان کی مقامی زبانوں اور قومی زبان کو کبھی بھی اہمیت نہیں دی گئی۔قومی زبان کسی بھی قوم کی شناخت ہوتی ہے۔یورپی ممالک ہماری اس شناخت کو ختم کر لینے کے درپے ہیں۔

کسی بھی زبان میں جو نئے الفاظ اور نئی اصطلاحات سامنے آتی ہیں وہ عمومی طور پر کسی مصنف، شاعر یا جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے متعارف ہوتی ہیں لیکن باقاعدہ زبان کا حصہ اس وقت بنتی ہیں جب اسے عام لوگ استعمال کرتے ہیں۔یہ قدرت کا اصول ہے کہ زبانوں میں تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے۔کئی الفاظ متروک ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے الفاظ شامل ہو جاتے ہیں۔اگر اردو زبان کے حوالے سے بات کی جائے تو اس میں اردو، پنجابی اور انگریزی کے ملاپ سے نئے الفاظ وجود میں آتے رہتے ہیں۔بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ ایسے بہت سے الفاظ کسی لغت کا حصہ نہیں بن سکے۔

زبان میں نئے الفاظ کے حوالے سے بی بی سی پر شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ حال میں ہی انگریزی زبان کی ایک لغت کولنز انگلش ڈکشنری کا تازہ ترین ایڈیشن شائع ہوا ہے جس میں پندرہ سو نئے الفاظ کو شامل کیا گیا ہے۔یہ وہ الفاظ ہیں جو پچھلے کچھ سالوں میں بول چال کے ذریعے انگریزی زبان میں شامل ہو گئے ہیں۔ان الفاظ سے نہ صرف انگریزی زبان اور ثقافت میں آنے والی تبدیلیوں کی عکاسی ہوتی ہے بلکہ زبان کے استعمال میں آنے والی تبدیلیاں بھی نمایاں ہوتی ہیں۔ان نئے الفاظ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ عام لوگ زبان کے ارتقا میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔[۵۰]

کسی بھی زبان کی ترقی میں اہل زبان اہم کردار ادا کرتے ہیں۔مرزا اطہر بیگ کا تعلق اردو بولنے والے ملک سے ہے انھوں نے کمال مہارت سے بہت سے نئے الفاظ تشکیل دیے ہیں۔نئی اصطلاحات گھڑی ہیں۔اردو اور پنجابی

کے ملاپ سے بہت سے الفاظ کو نیا روپ دیا ہے۔اس کی مثالیں کمینہ حقیقت پسند، حماقت آمیز بوکھلاہٹ، خوامخواہ قسم کی ہستی، ذہن کی کالی کوکھ، ننگا افلاطون، خصی کلب، چوتیا زندگی، اہل بکواس، عورت خور، اگر مگر ولہ، غر کولہ، پھڑ کولہ، بگڑاس، اُلٹمولہ، اُلٹپاس، لالکھائی، قلمی دہشت گردی، تحقیقی دہشت گردی، لفظوں کی ٹھگی، شی شی موضوع، بدبودار وراثت، چبھتی ہوئی ننگی نحوست، متعفن سمجھداری، بے حیا بیماری، فحش بیزاری، ذلیل القدر، لفظوں کی قے، انہونی کی باقیات، بیوپانہ قسم کی بات، گونگے نقطے اور گونگی تکون وغیرہ ہیں۔اگر بی بی سی کی رپورٹ کو سامنے رکھا جائے تو ہمارے ہاں جو نئے الفاظ یا اصطلاحات تشکیل پاتی ہیں انہیں لغات کا حصہ کم ہی بنایا جاتا ہے۔غلام باغ کے بہت سے کردار نئے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اردو زبان میں نئے الفاظ اور اصطلاحات کی تشکیل کی گنجائش موجود ہے۔

غلام باغ میں بہت سے مہمل الفاظ کا استعمال بھی ملتا ہے۔مہمل ایسے الفاظ ہوتے ہیں جن کے اپنے کچھ معنی نہ ہوں لیکن جب یہ الفاظ کسی دوسرے لفظ سے ملیں تو نئے لفظ بناتے ہیں۔مہمل ایسا لفظ بھی ہوتا ہے جس کا اپنا کوئی معنی نہیں ہوتا لیکن یہ بامعنی لفظ کے ساتھ بات میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔پنجابی زبان میں بولنے والے اور اکثر اردو زبان بولنے والے بھی کثرت سے ان الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔غلام باغ سے ایسے الفاظ کی مثالیں جنگلا منگلا، چکر مکر، گینگ وینگ، حکیم وکیم، صدمے ودمے، ناول داول، جھنگ ونگ وغیرہ ہیں۔

مرزا اطہر بیگ نے جہاں غلام باغ میں بہت زیادہ سلینگ کا استعمال کیا ہے وہ مقامی زبانوں کا کیس بھی لڑتے نظر آتے ہیں۔یورپی اقوام نے ہمیشہ ہی تیسری دنیا کے ممالک، ان کی قومی زبانوں اور مقامی زبانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔سلینگ مقامی زبانوں سے ہی جنم لیتے ہیں۔علاقائی اور مقامی زبانیں کسی بھی ملک کی تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔مقامی زبانوں کے معدوم ہونے سے تہذیب و ثقافت بھی معدوم ہونے لگتی ہے۔مرزا اطہر بیگ پاکستان کی مقامی زبانوں کے بارے میں یورپی اقوام کے رویوں کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

> جنسی علامتیں بعض اوقات انسان کی ذلت کے بیان کو بہت بلیغ بنادیتی ہیں۔تمہیں اس کا ترجمہ سنادوں؟ہاف مین نے پوچھا۔
>
> رہنے دو۔۔۔پھر سہی۔ہماری مقامی زبانیں بھی اس حوالے سے بہت مضبوط ہیں۔کبیر کو آلینے دو پھر کسی دن تم اسی بات پر اس سے مقابلہ کر لینا۔[۵۱]

مجھے گالیاں دے رہے ہو، ہاف مین پھنکارا۔

تمہارا کیا خیال ہے بے وقوف آدمی ہمارے ہاں کی زبانیں صرف گالیاں بکنے کے لیے ہیں۔ [۵۲]

صفر سے ایک تک میں سلینگ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

مرزا اطہر بیگ کا دوسرا ناول صفر سے ایک تک سائبر سپیس کے منشی کی سرگزشت ہے۔ ناول کا مرکزی کردار ذکا اللہ عرف ذکی ہے اور بعض لوگ اسے ذکو بھی کہتے ہیں۔ ذکی کے والد صاحب منشی عطا اللہ کوٹل سالاراں کے جاگیر دار حیات محمد سالار کے منشی تھے۔ یہ ذکی کے والد کا خاندانی پیشہ تھا اور زمینوں کا سارا حساب لمبے لمبے کھاتوں میں درج تھا۔ ذکی پہلی مرتبہ یہ سارا حساب کتاب کمپیوٹر پر منتقل کر دیتا ہے۔ اس منتقلی کے بعد منشی عطا اللہ کو احساس ہوتا ہے کہ حساب کتاب کے اس صدیوں پرانے نظام کو بدلنا کتنا آسان ہے۔ مالک لوگ سالاروں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور شاہانہ اور الگ تھلگ زندگی بسر کرتے ہیں۔ فیضان سالاروں کی نئی نسل کا نمائندہ ہے۔ وہ اپنے منشی کے بیٹے ذکی کی مدد سے یونی ورسٹی میں سکالر کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ فیضان شہر کی عالمانہ فضا سے متاثر ہو کر کبا گروپ میں شامل ہو جاتا ہے لیکن اپنی دانش ورانہ گفتگو کے لیے مواد ذکی سے حاصل کرتا ہے۔ کبا گروپ کے بارے میں مرزا اطہر بیگ ناول میں کہتے ہیں کہ کبا گروپ اعلیٰ طبقات کے ایسے افراد پر مشتمل ہے جس پر اس جاہل معاشرے کی کلچرل اور انٹلیکچوئل رہنمائی کرنے کا بوجھ اتنی شدت سے آن پڑا ہے کہ ان کے کندھے باقاعدہ آگے کو جھک جاتے ہیں۔ ان کے عضلات میں کوئی خرابی نہیں ہوتی۔ اس جھکاؤ کو بیلنس کرنے کے لیے وہ اپنے چہرے کو تھوڑا سا اوپر اٹھا لیتے ہیں اور دیکھنے والوں کو مسلسل سونگھنے کی کیفیت میں نظر آتے ہیں۔

ناول میں ہیروئن کا کردار اردو ناول کے روایتی کرداروں سے ہٹ کر نظر آتا ہے۔ زلیخا نامی عام سی لڑکی ناول کی خاتون اول نہیں کہی جا سکتی۔ زلیخا کی ماں فرانسیسی ہے اور باپ پاکستانی ہے۔ ناول کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس ناول کا کوئی بھی کردار اردو فکشن کے روایتی ڈھانچے میں فٹ ہوتا محسوس نہیں ہوتا۔ صفر سے ایک تک میں گزشتہ صدی کی آخری تین دہائیوں میں پاکستان کے مقتدر طبقے کی داستان بیان کی گئی ہے۔ ان تین دہائیوں میں اطلاعاتی ٹیکنالوجی طرح طرح کے روپ دھار رہی تھی اور ہمارے جاگیردارانہ سماج میں تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔

ہیرو کا بڑا بھائی ثنا اللہ پیر صاحب کے کردار میں نظر آتا ہے۔ پیر صاحب کی صاف گوئی اور کھرا پن ہی اصل میں وہ خطرناک پھندا ہے جس میں وہ انتہائی کامیابی سے من مرضی کی خواتین کو پھانستے ہیں۔ پیر صاحب پر جمال تخت

پوش پر بیٹھتے اور خواتین اور مرد حضرات ان کی قدم بوسی کرتے۔ یہ جعلی پیر صاحب اپنے ڈیرے پر گامو نامی عورت کو ذکی کا دل لگانے کے لیے بھیجتے تاکہ وہ ان کے ڈیرے سے واپس لاہور نہ جائے۔ ذکی گامو سے ناجائز تعلقات قائم کر لیتا ہے اور گامو دل و جان سے اس پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔ ذکی جب اس سے جان چھڑا کر لاہور جانا چاہتا ہے تو وہ جعلی پیر صاحب کی اچھی خاصی درگت بناتی ہے۔ اس طرح پیر صاحب کا یہ ڈیرہ اجڑ جاتا ہے۔ ناول کے اختتام میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ غلام باغ کی طرح اس ناول کا اختتام المناک نہیں ہے بلکہ کسی حد تک اسے خوشگوار اختتام کہا جاسکتا ہے۔

صفر سے ایک تک غلام باغ کی نسبت بہت کم ضخیم ناول ہے۔ صفر سے ایک تک کی زبان اور اسلوب اتنا پیچیدہ نہیں جتنا غلام باغ کا ہے۔ صفر سے ایک تک میں بہت سے سلینگ ملتے ہیں جو غلام باغ کی طرح اس کی زبان کو مختلف بنا دیتے ہیں۔ ایرک پارٹرج کے نظریے کے مطابق خالص عوامی زبان اور معیاری زبان کے درجے سے کمتر ہوتی ہے۔ خالص عوامی زبان کی بہت سے الفاظ جو سلینگ کہلاتے ہیں ناول میں موجود ہیں۔ معیاری زبان کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ اس میں ادب و قواعد کا خیال رکھا جاتا ہے جبکہ اس کے برعکس عوامی زبان ہوتی ہے۔ عوامی زبان میں اکثر بہت زیادہ گالیوں اور فحش الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ کسی کے خلاف گالی یا فحش الفاظ کا استعمال بنیادی طور پر انسانی احترام سے انکار کا اعلان ہے۔ گالی حریف کی تذلیل اور دھمکی کا ایسا امتزاج ہے جس سے معاشرے میں تشدد کا اصول جواز پاتا ہے۔ ناول صفر سے ایک تک سے سلینگ کی کچھ مثالیں:

غُنڈی:

لُچی، بدمعاش، فسادن، جھگڑالو

رپھڑ ڈالنا:

رکاوٹ ڈالنا، پیچیدگی پیدا کرنا

پھڈا:

جھگڑا، بکھیڑا، جھمیلا

پکھنڈ:

دھوکہ، فریب، ریاکاری، شرارت، حرامزدگی، بدذاتی، جھگڑا

سیاپا:

غم، سوگ، ہائے، واویلا، رونا پیٹنا، آفت، مصیبت

کڑک:

طاقتور، توانا، جاندار، تیز، شدید، کسی سخت چیز کے ٹوٹنے کی آواز

رگڑا:

چوٹ، خراش، کسی دھاردار آلے کا سختی سے گردن وغیرہ پر چلنا، ڈانٹ ڈپٹ، طعنہ، طنز و تشنیع، جھگڑا، تیز کرنا، گھساؤ

جتن:

کوشش، سعی، جدوجہد، دوڑ دھوپ، تدبیر، تجویز، علاج، حیلہ

خصم:

مالک، آقا، شوہر، خاوند

ڈھیلا:

سست، کاہل، غافل، بے جان، کمزور، نرم، غیر دلچسپ

کھسر پھسر کرنا:

سرگوشی کرنا، کانا پھوسی کرنا، چہ مگوئیاں کرنا

رنگ ڈھنگ:

رنگت، چال ڈھال، انداز کردار، برتاؤ، عادت، حالت، رواج، چلن

جھگی:

جھونپڑی

دھتکار:

لعنت ملامت، ڈانٹ ڈپٹ، جھڑکی، پھٹکار

کوسنے دینا:

لعن طعن کرنا، برا بھلا کہنا، بد دعائیں دینا

غنڈی ایک گالی ہے جو عموماً عورت کو دی جاتی ہے۔ مرزا اطہر بیگ اکثر صفر سے ایک تک میں اس گالی (سلینگ) کا استعمال کرتے ہیں۔ مرد کردار جب بھی عورت کو یہ گالی دیتے ہیں تو ان کا مقصد عورت کی تذلیل کرنا اور اپنے غصے کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔ گاؤں میں اکثر لوگ جب کسی سے دشمنی یا نفرت کا اظہار کرنا ہو تو دھتکار کا سلینگ استعمال کیا جاتا ہے۔ ناول میں لوگ ذکااللہ کو دھتکار سے ذکو کہتے ہیں۔ مرزا اطہر بیگ جو سلینگ استعمال کرتے ہیں ان میں زیادہ تر پنجابی زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ پنجاب میں عام طور پر شوہر کے لیے گھر والا، بندہ اور میاں کے لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ جب شوہر کا ذکر منفی معنوں میں کرنا ہو تو خصم کا سلینگ استعمال کیا جاتا ہے۔ دیہاتی علاقوں میں اکثر یہ کہاوت بھی بولی جاتی ہے کہ جورو خصم کی لڑائی کیا۔ اسی طرح پھنڈ کا سلینگ ہیرا پھیری اور مکر و فریب کرنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جب دیہات کی عورتیں کسی دوسری عورتوں کو لعن طعن کرتی ہیں اور بد دعائیں دیتی ہیں تو ناول نگار اس کے لیے کوسنے دینا کا سلینگ استعمال کرتا ہے۔

ایرک پارٹرج کے مطابق کوئی بھی مصنف سلینگ کسی خاص طبقے یا پیشے کی نمائندگی کے لیے استعمال کرتا ہے۔ ناول کی مرکزی کردار ذکااللہ کے والد عطااللہ جاگیر دار حیات محمد سالار کے منشی ہیں۔ ذکااللہ کے اباؤاجداد سالار برادری کی ایک شاخ کی منشی گیری کرتے رہے ہیں۔ ذکااللہ کے والد کوتل سالاراں میں رہائش پذیر ہیں جو ایک دیہاتی علاقہ ہے اور اس کی مخصوص تہذیب و ثقافت اور زبان ہے۔ سلینگ دیہات کی مقامی زبانوں سے ہی جنم لیتے ہیں۔ ناول کے اہم کرداروں کا تعلق منشی گیری کے خاندان سے ہے اور کوتل سالاراں بھی تین طرح کے طبقات میں تقسیم نظر آتا ہے۔ سالار کوتل سالاراں کے مالک ہیں جبکہ منشی متوسط سے بھی نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ غریب اور پسماندہ طبقہ بھی ناول میں نظر آتا ہے جس کا نمائندہ کردار گامو ہے اور ذکااللہ کے بھائی ثنااللہ کے نام نہاد جعلی ڈیرے پر اپنے بچوں کے ساتھ رہائش پزیر ہے۔ ذکااللہ کے گامو کے ساتھ ناجائز جنسی تعلقات تھے۔ ثنااللہ کے جعلی پیری ڈیرے پر آنے سے پہلے اس کا شوہر اس پر شدید جسمانی تشدد کرتا تھا۔ گامو کی ماں مائی داری بھالیکے کی ہنر مند دایہ تھی ۔اس کی ماں نے گامو کو بھی اس پیشے میں طاق کر دیا تھا۔ مرزا اطہر بیگ نے ان کرداروں کو کوتل سالاراں کی فضا میں رکھتے ہوئے سلینگ کا استعمال کیا ہے۔ ناول کے متن سے سلینگ کی مثالیں:

ذکااللہ: اس دن بقول والدہ گھر کی ہر چیز مٹیو مٹی ہو جاتی تھی۔ان کا کام بڑھ جاتا تھا اور وہ بول بلارا کرتی پھرتی تھیں۔[۵۳]

ذکااللہ: انھوں نے پہلی فرصت میں منکوحہ کو طلاق دے دی اور جب متعلقہ مطلقہ کے ڈشکرے بھائی ارادہ قتل ظاہر کرنے لگے تو وہ کوتل سالار اس سے فرار ہو گئے۔[۵۴]

ذکااللہ: وہ ہمارے ہاں کی سکول کی لڑکیوں کی خفیہ رقعے بازی کا پروٹوکول سیکھ گئی تھی۔[۵۵]

ذکااللہ: مجھے یہاں سے اپنا کچا چٹھا اٹھانا ہو گا۔[۵۶]

ذکااللہ: موبائل کے بتن تھندے ہو جائیں گے۔[۵۷]

ذکااللہ: بہر حال میرا اس پاگل پن سے کوئی تعلق نہیں۔ کبھی مجھے لگتا ہے کھچرا (نا قابل ترجمہ) ہے۔[۵۸]

سلینگ صورت حال کی سنجیدگی کو کم کرتے ہیں اور یہ المیے کی شدت کو کم کرتے ہیں۔ناول صفر سے ایک تک میں دو دفعہ سنجیدہ اور المناک صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ذکااللہ جب اپنے ساتھ پیش آنے والی گھمبیر صورت حال کو بیان کرتے ہوئے رگڑا کا سلینگ استعمال کرتا ہے۔سالاروں نے ذکااللہ کو اغوا کر لیا تھا اور اسے بہت اذیت دی۔اغوا کے بعد اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یہ سب کون کر رہا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟۔اسے اغوا کے بعد اڑھائی ہفتے تک ایک آرے یا لکڑی کے ٹال پر رکھا گیا۔وہاں دن رات لکڑی چیرنے اور پھاڑنے کی آوازیں آتی تھیں۔اسے دن بھر ایسے کمرے میں رکھا جاتا جہاں فرش سے لے کر چھت تک پھاڑی ہوئی لکڑیاں چنی ہوئی تھیں۔ذکااللہ کو کھانے پینے،سونے اور بیت الخلا جانے کے لیے الگ الگ تین مختلف کوٹھڑیوں میں جانا پڑتا جن پر تالے لگے ہوئے تھے۔ان کی چابیاں پانچ افراد میں سے الگ الگ کوئی سے تین افراد کے پاس ہو سکتی تھیں۔ کبھی وہ تینوں ہی موجود نہ ہوتے۔جب کبھی اسے بھوک لگتی تو اسے بیت الخلا کی چابی دے دیتے اور جب اسے بیت الخلا جانا ہوتا تو اسے کھانے والے کمرے کی چابی دے دیتے۔اس ساری صورت حال کو بیان کرنے کے لیے ذکااللہ مختلف سلینگ استعمال کرتا ہے جس سے صورت حال کی سنجیدگی اور المناکی کم ہوتی محسوس ہے۔جیسے ٹٹی پیشاب،سوہنے باؤ،گوری،تاڑ توڑ،پکا پاگل ،سٹ لگوائی،پھٹ گئی ہو گی،ہائے میں مر جاواں،پھاوے،کل کلاں وغیرہ کے سلینگ استعمال کیے ہیں۔

ذکااللہ کے بڑے بھائی ثنااللہ کے جعلی روحانی ڈیرے پر ذکااللہ گامونامی خاتون سے ناجائز جنسی تعلقات قائم

کر لیتا ہے۔ گامو باتوں ہی باتوں میں اپنی مقامی زبان میں ذکااللہ سے اظہار محبت کر بیٹھتی تھی۔ ذکااللہ اب گامو سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ جب گامو کو اس بات کا پتا چلتا ہے تو وہ شدید غصے میں ثنااللہ کو زمین پر گرا کر اس پر سوار ہو جاتی ہے۔ اسے وحشیانہ انداز میں دونوں ہاتھوں سے پیٹتی ہے۔ ثنااللہ کے خدمت گار آگے بڑھنا چاہتے ہیں مگر ثنااللہ انہیں ایسا کرنے سے روک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے اس کے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ اس واقعے کے بعد گامو وہاں سے چلی جاتی ہے اور ثنااللہ کا روحانی ڈیرہ بھی اجڑ جاتا ہے۔ ناول میں گامو کے قصے کو بہت دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ اس میں سلینگ کے استعمال کے ساتھ ساتھ مقامی زبان کے فقرے بھی شامل کیے گئے ہیں جس سے قاری ہنس پڑتا ہے۔ سلینگ کی کچھ مثالیں واویلا، کو ٹتی، بین کرتی، ساڑ، کنجری، کنجر، وڈی سرکار، جننی وغیرہ ہیں۔ گامو کے اپنی مقامی زبان کے فقرے بھی صورت حال کی سنجیدگی کو کم کرتے ہیں۔ مثلاً:

جے بندہ کسے نال سوندا سوندا او ہدے تے مرن وی لگ پوے تے فیر او ہدا کیہ ہووے گا۔ [۵۹]

پیراتوں مینوں ککھوں ہولا کر دتا اے۔۔۔ ہن نکے بھرادی واری آئی تے۔ [۶۰]

مصنف اپنے آپ کو مختلف ثابت کرنے کے لیے سلینگ کا سہارا لیتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ مرزا اطہر بیگ کے ہم عصر اردو ناول نگار اور بڑے سفر نامہ نگار ہیں۔ اگر ان کے ناول بہاؤ کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے ہاں بھی مقامی زبان کے الفاظ ملتے ہیں۔ ان کے ناول بہاؤ میں گھگھو گھوڑے، چر مراہٹ، جُسے، پُتر، جسہ، وہیڑے، تھڑے، اکا دکھائی نہ دینا، گھڑے اور مٹ، بھانڈے، کنڈ، ہواڑ، ماس، جھجھر، اڈیک، کنک کوٹنا، مونگلی، گھاگھرا، اُپلے وغیرہ پنجابی زبان کے الفاظ ہیں۔ اکیسویں صدی ناول کے نگاروں میں شمس الرحمن فاروقی، غضنفر، رحمن عباس، پیغام آفاقی اور مشرف عالم ذوقی کے نام شامل ہیں۔ یہ ناول نگار مرزا اطہر بیگ کے ہم عصر ہیں لیکن مرزا اطہر بیگ ان ناول نگاروں سے مختلف زبان میں ناول تخلیق کر رہے ہیں۔ ان کے شاذ و نادر ہی سلینگ کا استعمال ملتا ہے۔ اگرچہ مستنصر حسین تارڑ اپنے تحریری متن میں زیادہ تر پنجابی زبان کے الفاظ استعمال کرتے ہیں مگر سلینگ کا استعمال بہت کم کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا اطہر بیگ اپنے ناولوں میں سلینگ کا استعمال اس وجہ سے بھی کر رہے ہیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو اپنے ہم عصروں سے مختلف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

جب کسی متن میں سلینگ کا استعمال ہوتا ہے تو ان کی بدولت زبان میں نئے اضافے ہوتے ہیں۔ مرزا اطہر

بیگ نے صفر سے ایک تک میں جہاں زبان میں موجودہ سلینگ کا استعمال کیا وہاں انھوں نے نئے سلینگ بھی تخلیق کیے ہیں۔ان نئے سلینگ کی کچھ مثالیں پُلس ٹاؤٹ، تھڑا کانفرنس، خصیہ بوسی، کبلا گروپ، سائبر سپیس کا منشی، تحقیقی ڈھونڈوائی، چلبلی گولیاں، انب کھاتا کھوتا، کلکا، میراثی ڈاٹ کام وغیرہ ہیں۔ زبان لفظوں کا کھیل ہے اور اس کھیل میں وہ ہی زبانیں فتح اور ترقی حاصل کرتی ہیں جن میں نئے الفاظ شامل ہوتے رہتے ہیں۔زبان میں نئے الفاظ کی شمولیت سے ذخیرہ الفاظ وسیع ہوتا ہے جس سے زبان کی تفہیم میں آسانی ہوتی ہے۔مرزا اطہر بیگ نے ہر طرح کے سلینگ کو بلا جھجھک استعمال کیا ہے۔زمانے کی جدت سرکاری اور بین الاقوامی زبانوں کے بڑھتے ہوئے استعمال کی وجہ سے عوامی اور مقامی زبانوں کی اہمیت ماند پڑ رہی ہے۔مرزا اطہر بیگ نے اپنے ناولوں میں سلینگ کے استعمال سے عوامی زبان کو نئی زندگی بخشی ہے۔

ایرک پارٹرج کا کہنا ہے کہ سلینگ کسی تلخ حقیقت کے اقرار یا اس سے انحراف کے لیے مروج ہیں۔مرزا اطہر بیگ صفر سے ایک تک ناول میں معاشرے کے تلخ حقائق کا اقرار کرتے ہیں۔پیری مریدی صدیوں سے ہمارے سماج کا حصہ رہی ہے۔آج بھی درگاہوں، آستانوں اور مزاروں پر عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے۔اللہ کے ولیوں، صوفیوں اور بزرگوں کی صحبت یقیناً باعث خیر و برکت ہوا کرتی ہے۔پاکستانی سماج میں بہت سے جعلسازوں سے پیروں فقیروں کا روپ دھار رکھا ہے۔یہ جعلساز پیری مریدی کو ایک نفع بخش کاروبار کی طرح چلاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں آستانے اور درگاہیں غیر قانونی اور غیر اخلاقی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہیں۔ان کی گرفت کا کوئی موثر نظام موجود نہیں۔

ثنااللہ جیسے جعلی پیر اور جعلی عامل بڑی تعداد میں عوام کی جان ومال اور عزت و آبرو کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہیں۔ثنااللہ پاکستان کے روایتی معاشرے کا ایک جعلی پیر ہے جس نے اپنے جعلی روحانی ڈیرے پر لنگر کا وسیع انتظام کیا ہوا ہے۔وہ روایتی سبز چوغے کی بجائے گلابی رنگ کا چوغا پہنتا ہے۔یہ جدید دنیا کا پیر مردانہ پرفیوم سیکس اپیل لگاتا ہے۔ثنااللہ کے بالکیھے میں بے تحاشا مرید ہیں۔ثنااللہ نے ڈیرے سے باہر سائین بورڈ پر لکھوایا ہوا ہے:

سب سے حقیقی ذات صرف اللہ کی ہے۔باقی سب کچھ جعلی ہے۔[41]

جعلی پیروں کے روحانی ڈیرے پر وہی ہوتا ہے جو ثنااللہ کے ڈیرے پر ہوتا ہے۔بہت سے پیر عامل عورتوں کو اپنی جنسی ہوس کا نشانہ بنا ڈالتے ہیں۔ناول میں پیر ثنااللہ کے ڈیرے پر ذکااللہ گاموں کے ساتھ ناجائز جنسی تعلقات قائم

کرلیتا ہے۔جب تک اس کا دل چاہتا ہے وہ گامو کے وجودی کھلونے سے اپنا دل بہلاتا ہے پھر اس سے اپنی جان چھڑانا چاہتا ہے۔معاشی ناہمواری اور رشتوں میں ناچاکی کی بنا پر خواتین اور مردوں کی کثیر تعداد ان جعلی پیروں اور عاملوں کے آستانوں کا رخ کرتی ہے۔یہ ہمارے معاشرے کی تلخ حقیقت ہے جس کے اقرار کے لیے ناول نگار نے ٹھکائی، جوگا ،قدم بوسی ،انب کھانا، کھوتا، جعلی پیر،کتے پھڑ کانا، ماچھن ، نائی ، تھندے ،ہڈ بیتی ، خصم ، کھیکھن ،بپتا، الٹا کاکا، باؤ، آل وال، کاما، ایویں وغیرہ کے سلینگ کا استعمال کیا۔اسی طرح پاکستان کے جاگیردارانہ نظام کی بھی تلخ حقیقت کو بیان کیا ہے۔

حسن کی صورت حال :خالی ۔۔۔جگہیں ۔۔۔پُر۔۔۔کرو میں سلینگ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

حسن کی صورت حال مرزا اطہر بیگ کا تیسرا ناول ہے جس میں انھوں نے غلام باغ کی نسبت سلینگ کا استعمال کم کیا ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے اس ناول میں دھتکارے ہوئے، پسے ہوئے اور عجیب و غریب کردار معاشرے کی بگڑی ہوئی صورت حال کی غمازی کے لیے پیش کیے ہیں۔ ناول کے عجیب و غریب واقعات حقیقت کی دنیا کا روپ دھارتے ہیں۔ اس حقیقت کی دنیا میں کباڑ خانہ ہے، عظیم نجات دہندہ سے نجات کا دن ہے، سوانگ پروڈکشنز ہے، میلا بھاگاں والا ہے، کباڑ کمپلیکس ہے، لکی سٹار تھیٹر ہے، چاہ پریاں والا ہے اور گول میز کی کہانی ہے۔

اگر حسن کی صورت حال میں کرداروں کے حوالے سے بات کی جائے تو ناول کا آغاز حسن رضا ظہیر سے ہوتا ہے جسے "اچٹتی منظر بینی" کی عادت ہے۔ وہ اس رنگ برنگی دنیا کے مناظر پر نگاہ ضرور ڈالتا ہے لیکن ان میں شامل نہیں ہوتا۔ وہ ہر منظر کو حیرت سے دیکھتا ہے۔ کہانی اس کردار سے شروع ہوتی ہے جس میں کئی خالی جگہیں قاری کو پر کرنی پڑتی ہیں۔ ناول میں کرداروں کی ایک دنیا آباد ہے جو حسن کی صورت حال کو سب کرداروں کی دنیا بنا کر پیش کرتی ہے۔ اس ناول کے دیگر واہم کرداروں میں سعید کمال، پروفیسر صفدر سلطان، انیلا بلال، سیفی، جبار، بالی، ببلی ،ارشد کباڑیا، ماسٹر یاسین، بابا خوشیا اور حکمت بہزاد شامل ہیں۔ بہت سے کرداروں کے ناموں میں یکسانیت ہے۔ بعض او قات ناموں کی یہ یکسانیت قاری کے لیے ناول کو پیچیدہ بنا دیتی ہے۔

مرزا اطہر بیگ نے جہاں اس ناول میں اس خطے کی تاریخی، تہذیبی اور معاشرتی صورت حال کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے وہاں انھوں نے اس ناول میں بہت سے نئے تخلیقی تجربے بھی کیے ہیں۔ اگر سیاسی صورت حال کے حوالے سے دیکھا جائے تو پاکستان کی موجودہ سیاسی صورت حال حسن کی صورت حال میں بیان کردہ صورت حال سے مختلف نہیں ہے۔ اطہر بیگ نے سیاسی رہنماؤں کو طنزاً نجات دہندہ کہا ہے جب یہ نجات دہندہ لوگوں کی امیدوں پر پورا نہیں اترتے اور ان کی سیاست کا چمکتا باب ختم ہونے کو ہوتا ہے تو لوگ اس کے جانے کی خوشی میں مٹھائیاں بانٹتے ہیں۔ حقیقت میں بھی کچھ ایسی ہی صورت حال دیکھنے کو ملتی ہے۔ غلام باغ کی طرح اپنی زبان و بیان کے حوالے سے یہ ناول منفرد ہے۔

مرزا اطہر بیگ نے اپنے ناول حسن کی صورت حال میں غلام باغ کی نسبت سلینگ کا استعمال کم کیا ہے۔ باب اول میں سلینگ کے حوالے سے جو مختلف تعریفیں درج کی گئی ہیں اگر ان کے حوالے سے سلینگ کا جائزہ لیا جائے اور ایرک پارٹرج کی وضع کردہ تعریف کے تناظر میں سلینگ کا تجزیہ کیا جائے تو سلینگ اردو فکشن کے منظر نامے پر غیر معیاری زبان کو پیش کرتے نظر آتے ہیں۔کیمبرج ڈکشنری آف انگلش گرامر کے مطابق سلینگ ایسی غیر رسمی زبان ہے جو لوگوں کو غصہ دلا سکتی ہے۔ جیولی کولمن کے مطابق سلینگ گندی، فحش، بد صورت اور معمولی درجے کی زبان ہے۔ سلینگ کا استعمال کرنے والے لوگ ان پڑھ ہوتے ہیں جو اس سے بہتر زبان کا استعمال نہیں جانتے۔ مارٹیلو کے مطابق سلینگ معیاری زبان کے استعمال سے انحراف ہے۔ ایرک پارٹرج کے نزدیک سلینگ عوامی زبان کی وہ قسم ہے جو معیاری زبان سے کم درجے کی ہوتی ہے۔حسن کی صورت حال کے متن سے سلینگ کی مثالیں:

چوتیا:

احمق، بے وقوف، گاؤدی

بدمعاش:

حرام خور، شریر، لچا، وہ شخص جس کی روزی، برے کاموں پر منحصر ہو

چسکا:

زبان کا مزہ، چاٹ، چٹور پن، شوق، عادت، لت

حرامزدہ:

شریر، بدذات، فسادی، فتنہ پرداز، وہ شخص جو بے نکاہی ماں سے پیدا ہوا ہو

ڈھیٹ:

ضدی، سرکش، اڑیل، بے باک

کنجری:

کنجر کی جورو، کنجر قوم کی عورت جو بیشتر ناچنے گانے کا کام کرتی ہے

مادرچود:

دشنام، گالی، برابھلا، جس نے اپنی ماں کے ساتھ زنا کیا ہو

کھوچل رنیں:

کھوکھلی عورتیں، اندر سے خالی عورتیں

اگرایرک پارٹرج کے نظریے کے مطابق دیکھا جائے تو مرزااطہر بیگ نے حسن کی صورت حال میں خاص طبقے اور پیشے کی نمائندگی کے لیے سلینگ کا استعمال کیا ہے۔ تین طرح کے پیشوں سے تعلق رکھنے والے کردار ناول میں ملتے ہیں جن میں فلم انڈسٹری سے تعلق رکھنے والے، تھیٹر اور سرکس سے تعلق رکھنے والے اور پولیس سے تعلق رکھنے والے کردار شامل ہیں۔ فلم انڈسٹری سے تعلق رکھنے والے کردار خواندہ ہیں جبکہ دیگر دو شعبوں سے تعلق رکھنے والے کردار واجبی پڑھے لکھے ہیں۔ ان تین پیشوں کے علاوہ ایک اور پیشہ کباڑ جمع کرنے کا پیشہ ہے جس سے تعلق رکھنے والے کردار نیم پڑھے لکھے ہیں۔ سب سے پہلے ہم پولیس کے شعبے کے حوالے سے بات کریں گے جس میں حقیقی زندگی میں بھی سلینگ کا بہت زیادہ استعمال نظر آتا ہے۔ ہماری پولیس پاکستانی شہریوں کے ساتھ بہت گھٹیا اور نازیبا زبان کا استعمال کرتی ہے۔ پولیس اہلکاروں کا مہذب شہریوں کے ساتھ ظالمانہ اور ہتک آمیز رویہ قابل مذمت ہے۔ پولیس امیر طبقے کی ملی بھگت سے بہت سے بے گناہ شہریوں کو جیل میں بند کر دیتی ہے اور ان پر بلاجواز تشدد کرتی ہے۔ دوران حراست بہت سی خواتین پولیس اہلکاروں کی جنسی ہوس کا نشانہ بن جاتی ہیں۔ پولیس اہلکار وہ کالی بھیڑیں ہیں جن کو معاشرے میں امن وامان قائم کرنے کی اہم ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔ ناول میں حوالدار صفدر سلطان ایک جلوس کو منتشر کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو عظیم نجات دہندہ سے نجات کی خوشی میں مٹھائیاں بانٹ رہا ہے اور خوشیاں منا رہا ہے۔ اے۔ ایس۔ پی سعید کمال اس تمام کاروائی کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس کاروائی کے دوارن استعمال ہونے والے سلینگ کی مثالیں:

نیچے تیری ماں پڑی ہے جسے اٹھاتا ہے۔ [۶۲]

اوکُڑی چود جلدی جا۔۔۔۔ دفع ہو میگافون لانہیں تو تیری ماں کے یار ادھر سے آجائیں گے۔ [۶۳]

ڈپٹی نے ہوائی فائر کر دیا ہے پاغل کے پترنے۔ [۶۴]

ایسے ہی کتوں نے پولیس کو بدنام کیا ہے۔[۶۵]

پاکستانی پولیس کی روایتی قسم کے رویے کی تصویر کشی حسن کی صورت حال میں نظر آتی ہے۔اس ناول میں پولیس اہلکار فحش اور گھٹیا زبان استعمال کرتے ہیں جسے زبان کی اصطلاح میں سلینگ کہا جاتا ہے۔ میلہ بھاگاں والا میں اسٹیج پر تھیٹر کی خاتون فنکارہ سے ایک پولیس والا چھیڑ چھاڑ کرتا ہے جس سے بالی کو شدید غصہ آتا ہے اور وہ پولیس اہلکار کا سر پھاڑ دیتا ہے۔پولیس والے تھیٹر والوں کو گالیاں دیتے ہیں۔اس واقعے کے پندرہ منٹ بعد پولیس والوں کی دو جیپیں جائے وقوع پر پہنچ جاتی ہیں۔انھوں نے آتے ہی سارا تھیٹر کا انتظام تہس نہس کر دیا۔رانا نامی تھانیدار سب تھیٹر والوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح لاد کر لے جاتا ہے۔رانا شکل سے ہی زانی اور شرابی لگتا ہے۔بوناجو کہ تھیٹر کا کردار ہے وہ ان پولیس اہلکاروں سے اپنی عورتوں کی عزت بچانے کے لیے ان کے پاؤں پکڑتا ہے مگر پولیس والے اس کی منت سماجت مذاق میں اڑا دیتے ہیں۔رانا تھیٹر کی خواتین فنکاروں کو اپنی جنسی ہوس کا نشانہ بناتا ہے۔رانا تھیٹر والوں کو بہت زیادہ گالیاں دیتا ہے اور ان کے پیشے کے بارے میں گھٹیا زبان استعمال کرتا ہے۔ناول میں پولیس کے استعمال کردہ سلینگ کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

پہلے تو ان کنجروں کے ساتھ وہ ہی کرو۔۔۔جوان کا کام ہے۔[۶۶]

تم نے اپنا بک بک بند کرنا ہے یا نہیں۔۔۔تم بند کرو بکواس۔[۶۷]

کنجریاں تو سب ایک ہیں۔پھر کرنا جتنی مرضی بک بک۔بول منظور ہے۔۔۔بول۔۔۔بول۔۔۔بہن چود بول اب۔[۶۸]

ہاں۔رانا۔تھانیدار۔ایک بہن چود ہے۔۔۔۔بُولی کتا۔۔۔مہتاب درانی نے کہا۔[۶۹]

مطلب ستر سال سے کنجر خانہ کھولا ہوا ہے۔ہیں؟رانا ہنسا۔[۷۰]

کسی بھی زبان کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ اس میں فحش الفاظ بہت کم ہوتے ہیں۔مادری زبانوں میں پاکیزہ زبان کا گھ جوڑ کر نئی فحش اصطلاحات اور محاورات گھڑ لیے جاتے ہیں۔پاکستانی معاشرے میں فحش زبان کا استعمال یا فحش حرکات تحقیر آمیز کلمات ہیں جو مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اپنی گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔فحاشی اور فحش گوئی کرنے والے لوگ کسی معاشرے بداخلاقی بد تہذیبی کی عکاس ہیں۔ناول میں جب مختلف کردار فحش الفاظ کا

استعمال کرتے ہیں تو قاری کو ان سے اجنبیت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ شعوری اور لاشعوری طور پر اس کے سامنے کے لوگ اس طرح کے الفاظ استعمال کر رہے ہوتے ہیں۔

مار مار کر سور بنا دیتے کتے کو۔[41]

بڑا کوئی کتا تھانیدار ہے بھئی۔[42]

کپڑے اتار بہن چود کنجری۔۔۔ تھانیدار رانا کی آواز آتی ہے۔۔۔ ادھر بندے بندے کے نیچے پڑتی ہے ۔۔۔ یہاں نخرے کرتی ہے۔۔۔ کنجری۔۔۔ سسی بنی پھرتی ہے۔[43]

بہن چود کپڑے اتار۔۔۔۔ سوہنی دیکھو ذرا۔۔۔ دلی۔۔۔۔ مرزا صاحباں ہیں۔ سسی پنوں ہیں۔ ہیر رانجھا۔۔۔ ہا۔ہا۔ہا۔ اتار۔ اتار۔۔۔۔ دوں ایک ڈنڈا۔ تیری۔۔۔۔[44]

اوئے۔ شبیرے۔۔۔۔ اس لنگڑے کی دوسری ٹانگ ابھی ٹوٹی ہے کہ نہیں۔۔۔۔۔ بہن چود دو ۔۔۔۔ ساتھ۔۔۔۔ کام بھی دیکھو۔۔۔۔ کڑی چود دو باریاں لگا رہے ہو۔ بند کر دیہ بٹن۔[45]

تھیٹر کے پیشے سے وابستہ کردار بھی اپنی گفتگو میں سلینگ کا استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ تھیٹر سے وابستہ لوگ کم پڑھے لکھے ہوتے ہیں اس وجہ سے وہ ایسی زبان کا استعمال کرتے ہیں جو معیاری نہیں ہوتی۔ تھیٹر کے فنکار فحش گوئی کو مذاق کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ کسی بھی معاشرے کے لیے فحش گوئی قابل شرم، بیہودہ اور بے حیائی کی بات ہے۔ جو لوگ تھیٹر دیکھنے کے شوقین ہوتے ہیں ان کی گفتگو میں اکثر ایسے فحش الفاظ کا استعمال ملتا ہے کیونکہ ان کے شعور اور لاشعور پر زبان کا اثر تو ہوتا ہے۔

ناول میں تیسرا پیشہ جو سلینگ کا استعمال کرتا نظر آتا ہے وہ فلم انڈسٹری سے وابستہ ہے۔ انیلا، سعید کمال اور صفدر سلطان اپنی گفتگو میں سلینگ کا استعمال کم ہی کرتے ہیں البتہ ان کے دیگر معاون کار جیسے بالی بہت زیادہ سلینگ کا استعمال کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بابا خوشیا اور ماسٹر یاسین بھی اکثر سلینگ کا استعمال کرتے ہیں۔ ماسٹر یاسین کی عمر تقریباً پچاس سال ہے۔ سر سے گنجا ہے۔ کیمرہ آپریٹر ہے۔ بنیادی طور پر صاف گو ہے۔ بابے خوشیے کی عمر ستر سال ہے۔ تھیٹر کی ایک ڈانسر بے بی کٹار کے عشق میں گرفتار ہو کر نیم پاگل سا ہو گیا۔ فلمی دنیا میں چھوٹے موٹے سائیں، ملنگ، پیر اور سنیاسی وغیرہ کے رول کرتا رہا اور ہمیشہ کے لیے اس انڈسٹری سے منسلک ہو گیا۔ بالی ایک ٹانگ سے معذور ہے جو کسی

جھگڑے میں کٹ چکی ہے۔ بلی کو بہت زیادہ غصہ آتا ہے اور وہ بات بات پر گالی دیتا ہے۔ وہ انیلا بلال کو بہت پسند کرتا ہے جب وہ ان مردوں کے بیچ صفدر سلطان کو سگریٹ سلگا کر دیتی ہے۔ بالی اپنے اس غصے کی وجہ سے تھیٹر دیکھنے کے دوران ایک پولیس والے کو اپنی بیساکھی سے مارتا ہے اور پولیس سب تھیٹر والوں کو پولیس اسٹیشن لے جاتی ہے۔ وہاں پولیس والے باری باری سب تھیٹر کی خواتین فنکاروں کو اپنی جنسی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔ بالی خود بھی عورتوں کا شوقین ہے اور وہ ماسٹر یاسین کو صفدر سلطان کو جنسی سکون پہنچانے کے لیے ببلی نامی ایک طوائف کے پاس لے جانے کا مشورہ دیتا ہے۔ اس کے خود بھی ببلی کے ساتھ ایسے تعلقات ہیں۔ اپنی غصیلی فطرت اور معذوری کی وجہ سے بار بار گالیاں دیتا ہے اور فحش زبان کا استعمال کرتا ہے۔ بالی کے استعمال کردہ سلینگ کی کچھ مثالیں:

بند کرا کے تو دیکھ گانڈے۔۔۔۔ بالی بڑبڑاتا ہے۔ [۷۶]

شیر دی بچی کے لیے گدڑ ڈائریکٹر اور بجو سیٹھ کی نظریں کافی گندی ہیں۔ [۷۷]

اس گانڈو سیٹھ کو کیوں ساتھ کھجل کرا رہے ہو۔ اس کو ببلی کا علاج کراؤ۔ [۷۸]

اس طرح کی فلموں میں میرے جیسے چل جاتے ہیں۔ لکڑی کی ٹانگ والے۔ شیشے کی اکھ والے۔
انھے۔ کانے۔ لولے۔ میں نے سمندری ڈاکوؤں کی ایک فلم دیکھی ہے۔ [۷۹]

ایرک پارٹرج کے مطابق سلینگ المیے کی شدت کو کم کرتے ہیں اور اسی طرح ان کے استعمال سے صورت حال کی سنجیدگی بھی کم ہو جاتی ہے۔ حسن کی صورت حال میں کئی منظر ناموں پر سنجیدہ اور المناک صورت حال پیدا ہوتی ہے جہاں مرزا اطہر بیگ سلینگ کا استعمال کرتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم حسن رضا ظہیر کے المیے پر بات کرتے ہیں جس کا دنیا کا حیرانگی سے مطالعہ ہی حسن کو حسن سے خالی کر دیتا ہے۔ حسن ہر چیز کا حیرانگی سے مشاہدہ کرتا ہے اور مرزا اطہر بیگ اس کی حیرت کو الفاظ کی زبان دیتے ہیں۔ حسن تو کم ہی سلینگ کا استعمال کرتا ہے البتہ حسن کی گمشدگی کی صورت میں اس کا ڈرائیور اس کی رپورٹ لکھواتے ہوئے سلینگ کا کافی استعمال کرتا ہے۔ اس کے بتانے کے انداز سے اور مبہم اشارے کنائے سے قاری ہنسنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ حسن اور اس کے ڈرائیور نور خان کے استعمال کردہ سلینگ کی مثالیں:

حسن: "چوک خداداد کی میٹھی افراتفری لوگوں کے معمول کے کڑوے کسیلے مگر زیادہ ترے بے ذائقہ

سفروں میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔[80]

نور خان: اور ان مردوؤں کو تو دیکھا جو دیکھا لعنت ہزار بار۔۔۔۔خدا غارت کرے۔[81]

نور خان: ہم نے کیا کرنا تھا صاحب۔ برابر کھڑا تھا اور اسے دیکھتا تھا اور اللہ سے دعا کرتا تھا کہ وہ اس جنجال سے نکالے۔[82]

نور خان: پھر تماشائیوں نے ویلیں دینی شروع کر دیں۔[83]

نور خان: ہمارا دل دہل گیا کہ اب کوئی اور لپھڑا پڑتا ہے۔[84]

پولیس کے حوالے سے اوپر بیان کیے گئے واقعات میں پولیس کے شعبے میں استعمال ہونے والے سلینگ کا تجزیہ کیا گیا ہے کہ کیسے ہماری پولیس لوگوں کو گالیاں دیتی ہے اور فحش زبان کا استعمال کرتی ہے۔ یہ پاکستانی معاشرے کی سنجیدہ اور المناک صورت حال ہے جس میں قانون کے رکھوالوں کا لوگوں کے ساتھ رویہ اتنا گھٹیا اور شرمناک ہے ۔اس ناول میں پولیس کی المناک صورت حال کی تصویر کشی کے لیے مرزا اطہر بیگ نے جو سلینگ استعمال کیے ہیں ان سے صورت حال کی سنجیدگی کم ہوتی نظر نہیں آتی بلکہ معاشرے کے اس قانون نافذ کرنے والے شعبے کی بھیانک تصویر ضرور سامنے آتی ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے قاری خود پولیس اسٹیشن میں بیٹھ کر اس ساری صورت حال کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے۔

مصنف اپنے آپ کو مختلف ثابت کرنے کے لیے سلینگ کا سہارا لیتا ہے۔ مرزا اطہر بیگ کے تینوں ناول پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے شعوری اور لاشعوری طور پر اپنے آپ کو مختلف ثابت کرنے کے لیے سلینگ کا استعمال کیا ہے۔اردو ادب کی تاریخ میں سعادت حسن منٹو کے ہاں اس قسم کی زبان اور حقیقت پسندی ملتی ہے۔اگر ناول کے حوالے سے بات کی جائے تو مرزا اطہر بیگ نے اپنے ناولوں میں جو زبان استعمال کی ہے ایسی زبان کی مثال نہ تو عصر حاضر کے ناولوں میں ملتی ہے اور نہ ہی ماضی کے ناولوں میں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا اطہر بیگ کا اپنے ناولوں میں سلینگ کا استعمال کرنا اپنے آپ کو مختلف ثابت کرنا بھی ہے۔وہ بہت سے ایسے الفاظ بے دھڑک استعمال کرتے ہیں جو عوامی زبان میں عام طور پر مروج ہیں مگر فکشن میں نظر نہیں آتے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ

سلینگ کے استعمال نے مرزااطہر بیگ کی فکشن کو منفرد بنا دیا ہے۔ناول حسن کی صورت حال سے سلینگ کی مثالیں:

اور کھو چل رنیں تھیں ساتھ۔چالوز نانیاں۔نالے کی ڈھیلی۔۔۔۔بہن چود۔۔۔۔کہتا ہے رمز کی باتیں ہیں۔[۸۵]

سلینگ کسی تلخ حقیقت کے اقرار یا انحراف کے لیے مروج ہیں۔اگرحسن کی صورت حال کے تناظر میں پاکستانی معاشرے میں تلخ حقائق کی بات کی جائے تو سیاسی افراتفری نے ہمیشہ ہمارے سماج میں بے چینی کی فضا پیدا کی ہے۔ہمارا سیاسی نظام ہمیشہ عدم استحکام کا شکار رہا ہے۔بھوک،افلاس اور غربت کے مارے لوگ جلسے جلوس کر کے اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ملک کی معاشی بدحالی کی بنیادی وجہ ہمارے سیاست دانوں کی بدعنوانی ہے۔اس معاشی بدحالی سے عوام کی حالت ابتر سے ابتر ہوتی جاتی ہے۔ایسی ہی سیاسی صورت حال حسن کی صورت حال میں نظر آتی ہے جب لوگ عظیم نجات دہندہ کے جانے پر مٹھائیاں تقسیم کر رہے ہوتے ہیں اور پولیس ان پر تشدد کر رہی ہوتی ہے۔اپنی واہیات زبان میں بیچاری افلاس کی ماری اقوام کو گالیاں بک رہی ہوتی ہے۔ایسے مناظر مرزااطہر بیگ کے تخیل کی پیداوار نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہیں۔

ہمارے معاشرے کی ایک اور تلخ حقیقت عورت کے لیے منفی رویوں کا اظہار ہے۔انیلا بلال جو کہ فلم انڈسٹری سے تعلق رکھتی ہے اور تھیٹر سے تعلق رکھنے والی خواتین فنکاروں کو مردوں کی طرف سے روحانی اور جسمانی تذلیل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ہر کوئی ان عورتوں کی جسموں کو ٹٹولتا ہے۔ان کے شاروں کنائیوں میں اپنی جنسی ہوس پوری کرنے کی ترغیب موجود ہوتی ہے۔تھیٹر اور فلم انڈسٹری سے منسلک لوگوں کا رزق اسی پیشے سے وابستہ ہوتا ہے۔اپنے خاندان اور بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے یہ خواتین فنکار ہر طرح کا تشدد برداشت کرتی ہیں۔پاکستان میں تھیٹر اور فلم انڈسٹری سے منسلک خواتین کے لیے فحش اور گھٹیا زبان کا استعمال عام ہے۔مرد عورتوں کو گالیاں دے کر اپنے مرد ہونے کی انا کو تسکین پہنچاتے ہیں۔تھیٹر اور فلم میں اسی عورت کو دیکھ کر جنسی تسکین حاصل کرتے ہیں اور اسی عورت کو گھٹیا اور بدتہذیب کہتے ہیں۔حسن کی صورت حال میں بہت سی گالیاں بھی ہیں جو عورت کی ذات سے منسلک ہیں مثلاً بہن چود،کڑی چود،مادر چود وغیرہ۔اس کے علاوہ حقیقی زندگی میں بھی ناچ گانا کرنے والی

خواتین کے لیے کنجری کا لفظ عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے ساتھ پولیس کے رویے اور ان کی فحش زبان کو بھی حسن کی صورت حال کے متن کا حصہ بنایا ہے۔

بد قسمتی سے پاکستان کا شمار پسماندہ اور غریب ممالک میں ہوتا ہے جہاں مغربی ممالک کی طرح سائنس اور جدید ٹیکنالوجی میں ترقی نظر نہیں آتی ۔ مغربی تہذیب کے اقوام عالم پر غالب آنے کی بنیادی وجہ روشن خیالی (Enlightenment) تھی جو سائنسی علوم کی اساس ہے۔ مرزا اطہر بیگ روشن خیالی کی بجائے خرد افروزی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ مرزا اطہر بیگ کے مطابق ہمارے تہذیبی زوال کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ ہم نے خود افروزی کے دو مسلمات یعنی عقلیت(Rationalism)اور تجربیت(Empiricism) کو کبھی دل سے تسلیم نہیں کیا۔ ہم بھی بطور تہذیب صرف اور صرف ایجادات، ایٹمی توانائی اور ٹیکنالوجی کے ذریعے دنیا پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں۔

جب جان پاکستان میں ورلڈ ریکارڈ کے مشاہدے کے لیے آتا ہے تو پروفیسر بہزاد اسے خارش کرنے والا آلہ پیش کرتا ہے کہ یہ پاکستان کی ایجاد ہے۔ مرزا اطہر بیگ کباڑ کمپلیکس کو ہماری قوم پر طنز کے لیے پیش کرتے ہیں جہاں ارشاد کباڑیا اور جبار کباڑ جمع کرتے ہیں۔ جان جب اس کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہاں اسے عظیم رہنماؤں کے کانوں کی میل جمع کی ہوئی ملتی ہے اسی طرح عظیم رہنماؤں کی استعمال کردہ وہ چیزیں جن کی کوئی اہمیت نہیں۔ حقیقت میں مرزا اطہر بیگ اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے ہیں کہ مغربی ممالک نے دنیا کے عظیم رہنماؤں اور مفکروں کے تصورات و نظریات سے فائدہ اٹھایا اور ترقی کی منازل طے کیں اور ہم ابھی تک ان کے کانوں کی میل جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ مرزا اطہر بیگ اوپر بیان کردہ حقائق سے انحراف نہیں کرتے بلکہ سلینگ کے ذریعے ان کا اقرار کرتے ہیں۔

حسن کی صورت حال کے متن سے سلینگ کی کچھ مثالیں:

> نوجوان مولوی نے کچھ دیکھے بغیر اس کے ہاتھ سے پتھر کا وہ ٹکڑا اچک کر دور کھڑی پُلس نفری کی طرف پھینک دیا۔[۵۶]

> ایک ہی بات ہے۔ کنجریاں ہیں بیٹا۔[۵۷]

> وہ بھی رائٹر ہے گشتی۔ مجھے کیا۔ جائیں اپنی ماں کی۔۔۔۔[۵۸]

ایسی حرامزادی ہے یہ بلی۔[۸۹]

عظیم رہنما وہ ہوتا ہے جو تاریخ پر تھوک سکے۔ رہنمائی مانگنے والے کو اپنے پیشاب سے شرابور کر سکے اور اپنے فضلے سے لت پت کر سکے۔[۹۰]

ایرک پارٹرج کے مطابق سلینگ کی بدولت زبان میں نئے اضافے ہوتے ہیں۔ مرزا اطہر بیگ نے غلام باغ میں اور صفر سے ایک تک میں جو سلینگ استعمال کیے ہیں ان دونوں ناولوں کی نسبت حسن کی صورت حال میں جو سلینگ استعمال کیے ہیں زیادہ تر گالیاں اور فحش الفاظ ہیں جن کو کسی بھی مہذب اور معیاری زبان میں نیا اضافہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلینگ کے استعمال سے معیاری زبان میں نئے الفاظ کا اضافہ ہوتا ہے جس سے کسی بھی زبان کا ذخیرہ الفاظ بڑھتا ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے اگرچہ حسن کی صورت حال میں سلینگ کا استعمال کم کیا ہے مگر انگریزی الفاظ کا خاطر خواہ استعمال کیا ہے۔ ان انگریزی الفاظ میں Legend, aging, Winery, Package, Revise, Conflict, Behave, Fucking Subject, Brain Storming, Excite , The Great Dictator, Introduce, Images Collection, Disturbing, Memory, Narrative, Bloody وغیرہ ہیں۔ ان الفاظ کے علاوہ انگریزی الفاظ کے استعمال کی ایک مزید طویل فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔

اگر مرزا اطہر بیگ کے ناولوں کے حوالے سے دیکھا جائے تو غلام باغ میں ناول نگار نے سب سے زیادہ سلینگ استعمال کیے ہیں۔ اس ناول میں انھوں نے سلینگ کے استعمال سے متن کی نئی جہات کی تشکیل کی ہے۔ سلینگ کے رنگوں کی وجہ سے تخلیقی کرداروں کا حسن بڑھ گیا ہے اور سلینگ سے اجنبی قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی نئی زبان کو پڑھنے کا تجربہ کر رہا ہو۔ ناول میں غیر روائتی زبان کا یہ تجربہ اردو ناول کی تاریخ میں ایک دلچسپ تجربہ ہے۔ اگرچہ ناول حسن کی صورت حال غلام باغ سے کم اور صفر سے ایک تک سے زیادہ ضخیم ناول ہے مگر اس میں مرزا صاحب نے کم سلینگ استعمال کیے ہیں۔ غلام باغ سے پھٹیچر ،گیگلا، گیلڑ، بکواسی، ٹنڈا، ٹھٹھے بازی، کم بخت، ذلیل وغیرہ سلینگ کی مثالیں ہیں۔ صفر سے ایک تک سے غُنڈی، رپھڑ ڈالنا، پھڈا، پکھنڈ، سیاپا، کڑک، رگڑا، جتن، خصم، وھیلا، کھسر پھسر کرنا، دھتکار اور کوسنے دینا سلینگ کی مثالیں ہیں۔ حسن کی صورت حال سے چوتیا، بدمعاش، چسکا، حرامزدہ، ڈھیٹ، کنجری، مادر چود، کھوچل رنیں وغیرہ سلینگ کی

مثالیں ہیں۔

ناول صفر سے ایک تک کا اسلوب اتنا پیچیدہ نہیں ہے جتنا غلام باغ کا۔صفر سے ایک تک میں گالیاں اور فُحش الفاظ ملتے ہیں۔اس ناول کے کردار گالیوں اور ان فُحش الفاظ کے استعمال سے بنیادی طور پر انسانی احترام سے انکار کرتے نظر آتے ہیں۔صفر سے ایک تک سے کچھ ایسے الفاظ کی مثالیں غنڈی، پھڈا، پھنڈ، رگڑا، خصم، جتن وغیرہ ہیں۔اس ناول کے اہم کرداروں ذکااللہ اور اس کے والد عطااللہ کا تعلق منشی گیری کے خاندان سے ہے۔ناول میں تین طرح کے طبقات کا ذکر ملتا ہے۔اعلیٰ طبقہ محض گالیوں کی شکل میں کم سلینگ کا استعمال کرتا ہے جبکہ متوسط اور غریب طبقہ اپنی روزمرہ گفتگو میں سلینگ کا استعمال زیادہ کرتا ہے۔

مرزا اطہر بیگ نے حسن کی صورت حال میں غلام باغ کی نسبت سلینگ کا استعمال کم کیا ہے۔اس ناول میں تین طرح کے پیشوں سے تعلق رکھنے والے کردار ملتے ہیں جن میں فلم انڈسٹری سے تعلق رکھنے والے، سرکس اور پولیس سے تعلق رکھنے والے کردار شامل ہیں۔سرکس اور پولیس سے تعلق رکھنے والے والے کردار واجبی سے پڑھے لکھے ہیں فلم انڈسٹری کی نسبت۔ان تینوں پیشوں کے علاوہ کباڑ جمع کرنے والوں کا ذکر بھی ہے۔حقیقی زندگی کی طرح ناول کی زندگی میں بھی پولیس کے شعبے سے تعلق رکھنے والے کردار سلینگ کا استعمال کرتے ہیں۔پولیس والوں کے استعمال کردہ سلینگ کی کچھ مثالیں کنجروں، بک بک، بکواس، کنجریاں، بہن چود، بُولی کتا، کنجر خانہ، اوئے، دلی، کُڑی چود وغیرہ ہیں۔ناول میں پولیس والے گالیاں دیتے ہیں اور فُحش الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔اسی طرح سرکس اور تھیٹر کے کردار بھی کم پڑھے لکھے ہونے کی وجہ سے سلینگ استعمال کرتے ہیں۔

سلینگ سے زبان میں نئے اضافے ہوتے ہیں۔یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب سلینگ ادب کے ساتھ ساتھ لغات کی نئی آنے والی اشاعتوں میں اپنی جگہ بنالیں۔نہ صرف سلینگ لغات میں شامل ہو جائیں بلکہ لوگ اسے اپنی گفتگو میں بھی استعمال کریں۔مرزا اطہر بیگ نے غلام باغ میں سب سے زیادہ نئی اصطلاحات گھڑی ہیں جو سلینگ انھوں نے اپنے ناولوں میں استعمال کیے ہیں ان میں زیادہ تر اردو کی سابقہ لغات میں تو موجود ہیں مگر حالیہ لغات میں شاذ و نادر ہی سلینگ ملتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماضی میں سلینگ کو لغات میں جگہ ملتی رہی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ http://mazameen.com/literature/other-prose/اردوناول-کی-گم-ہوتی-ہوئی-دنیا-html.12

۲۔ پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ،اسلوبیاتی تنقید،(نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۱۴ء)،ص۱۶۷۔

۳۔ http://daanish.pk/32732

۴۔ مرزا اطہر بیگ،غلام باغ،(لاہور:سانجھ پبلی کیشنز،۲۰۰۵ء)،ص۱۵۔

۵۔ ایضاً،ص۲۴۔

۶۔ ایضاً،ص۲۸۔

۷۔ ایضاً،ص۴۶۔

۸۔ ایضاً،ص۸۸۔

۹۔ ایضاً،ص۱۲۴۔

۱۰۔ ایضاً،ص۱۳۵۔

۱۱۔ ایضاً،ص۱۹۱۔

۱۲۔ ایضاً،ص۲۰۸۔

۱۳۔ ایضاً،ص۲۲۰۔

۱۴۔ ایضاً،ص۲۴۱۔

۱۵۔ ایضاً،ص۲۴۹۔

۱۶۔ ایضاً،ص۲۵۵۔

۱۷۔ ایضاً،ص۵۰۷۔

۱۸۔ ایضاً،ص۵۹۵۔

۱۹۔ ایضاً،ص۶۵۱۔

۲۰۔ ایضاً،ص۶۷۹۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۶۴۵۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۳۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۴۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۶۹۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۶۶۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۶۸۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۶۹۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۷۳۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۷۷۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۵۲۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۸۲۔

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۹۸۔

۳۳۔ ایضاً، ص ۲۹۷۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۲۹۷۔

۳۵۔ ایضاً، ص ۲۴۴۔

۳۶۔ ایضاً، ص ۲۴۹۔

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۶۹۔

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۷۱۔

۳۹۔ ایضاً، ص ۱۷۰۔

۴۰۔ ایضاً، ص ۱۸۱۔

۴۱۔ ایضاً، ص ۲۳۲۔

۴۲۔ ایضاً، ص ۲۴۵۔

۴۳۔ ایضاً، ص ۲۴۷۔

۴۴۔ ایضاً، ص ۲۶۴۔

۴۵۔ ایضاً، ص۵۴۹۔

۴۶۔ ایضاً، ص۵۶۳۔

۴۷۔ ایضاً، ص۶۶۸۔

۴۸۔ ایضاً، ص۶۸۳۔

۴۹۔ https://www.bbc.com/urdu/entertainment/story/2008/05/080524_ghulam_bagh_as.shtml

۵۰۔ https://www.bbc.com/urdu/interactivity/debate/story/2005/06/printable/050615_new_words_yourviews.shtml

۵۱۔ مرزا اطہر بیگ، غلام باغ، ص۱۲۲۔

۵۲۔ ایضاً، ص۱۹۰۔

۵۳۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، (لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص۸۔

۵۴۔ ایضاً، ص۱۳۔

۵۵۔ ایضاً، ص۳۸۔

۵۶۔ ایضاً، ص۱۴۶۔

۵۷۔ ایضاً، ص۱۹۴۔

۵۸۔ ایضاً، ص۲۸۸۔

۵۹۔ ایضاً، ص۲۷۶۔

۶۰۔ ایضاً، ص۳۰۸۔

۶۱۔ ایضاً، ص۱۸۲۔

۶۲۔ مرزا اطہر بیگ، حسن کی صورت حال، (لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)، ص۷۹۔

۶۳۔ ایضاً۔

۶۴۔ ایضاً۔

۶۵۔ ایضاً۔

۶۶۔ ایضاً، ص۴۳۱۔

۶۷۔ ایضاً، ص ۴۳۳۔

۶۸۔ ایضاً، ص ۴۳۴۔

۶۹۔ ایضاً، ص ۴۶۴۔

۷۰۔ ایضاً، ص ۴۶۶۔

۷۱۔ ایضاً، ص ۴۷۰۔

۷۲۔ ایضاً، ص ۴۷۲۔

۷۳۔ ایضاً، ص ۵۱۰۔

۷۴۔ ایضاً، ص ۵۱۱۔

۷۵۔ ایضاً، ص ۵۱۳۔

۷۶۔ ایضاً، ص ۲۵۷۔

۷۷۔ ایضاً، ص ۲۵۵۔

۷۸۔ ایضاً، ص ۲۵۷۔

۷۹۔ ایضاً، ص ۲۹۵۔

۸۰۔ ایضاً، ص ۹۳۔

۸۱۔ ایضاً، ص ۴۰۶۔

۸۲۔ ایضاً، ص ۴۰۲۔

۸۳۔ ایضاً، ص ۴۲۶۔

۸۴۔ ایضاً، ص ۴۳۴۔

۸۵۔ ایضاً، ص ۴۶۹۔

۸۶۔ ایضاً، ص ۸۳۔

۸۷۔ ایضاً، ص ۸۷۔

۸۸۔ ایضاً، ص ۲۲۷۔

۸۹۔ ایضاً، ص ۲۴۸۔

۹۰۔ ایضاً، ص ۱۷۶۔

باب سوم:

مرزا اطہر بیگ کے افسانوں میں سلینگ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

- افسانوی مجموعہ :بے افسانہ

باب سوم:

مرزا اطہر بیگ کے افسانوں میں سلینگ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

افسانوی مجموعہ بے افسانہ :

جہاں مرزا اطہر بیگ کو ناول نگاری اور ڈرامہ نگاری میں بلند مقام حاصل ہے وہاں ان کے افسانوی مجموعے بے افسانہ نے بھی کافی شہرت حاصل کی ہے۔اس افسانوی مجموعے میں شامل کچھ کہانیاں ستر کی دہائی میں لکھی گئی ہیں اور کچھ موجودہ حالات کو پیش کرتی ہیں۔اس افسانوی مجموعے میں دو طرح کی کہانیاں ہیں؛ کچھ کہانیوں میں عجیب و غریب واقعات بیان کیے گئے اور کچھ واقعات قابل فہم ہیں۔ابتدائی کہانیوں میں " مورا"، "بُلھن "، "دس لاکھ میں ایک "، "ایک پُتلا کہانی" اور " دیورا کا تھیٹر" وغیرہ حقیقت پسندی کے تناظر میں لکھی گئی ہیں۔ حقیقت پسندی کے لیے انگریزی میں Realism کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔بیسویں صدی میں حقیقت پسندی کے اظہار کے لیے جو تحریک چلی اسے "Surrealism" کا نام دیا جاتا ہے۔یہ تحریک ادب میں غیر منطقی خیالات کے اظہار پر مبنی تھی۔ ایسے ہی غیر منطقی خیالات کا اظہار اوپر دیے گئے افسانوں میں ملتا ہے۔ اگر بے افسانہ کے کچھ افسانوں کے حوالے سے بات کی جائے تو ان کے کردار شدید ذہنی انتشار کا شکار نظر آتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مرزا اطہر بیگ نے ان کرداروں کو اپنے تحت الشعور میں ڈوب کر تخلیق کیا ہے۔

آزاد دائرۃ المعارف ویکیپیڈیا کے مطابق:

> ماورائے حقیقت پسندی (Surrealism) ۱۹۲۰ء کی دہائی کی ایک فنکارانہ وادبی رویہ اور تحریک ہے۔دو عالمی جنگوں کے درمیان جب فرد شدید ذہنی انتشار کا شکار ہوا تو یورپی معاشرے میں سیریلسٹ تحریک کا آغاز ہوا۔ سرئیلزم کے معنی حقیقت سے ماورا ایک اور حقیقت کے ہیں۔اس کے علاوہ اظہاری اور فنکارانہ طور پر یہ تحریک تحت الشعور میں ڈوب کر فن کو تخلیق کرنے کا دوسرا نام ہے۔[1]

بے افسانہ کے شروع میں پرانی کہانیاں ہیں اور آخر میں تازہ حالات پر مبنی کہانیاں ہیں۔ جیسے " مورا" ایک دلچسپ کہانی ہے جس میں ایک دیہاتی علاقے کی کہانی بیان کی گئی ہے اور مورا جو کہ عوامی زبان کا ایک لفظ ہے اس کی وضاحت کے لیے کہانی کا تانا بانا بنا گیا ہے۔اس میں منظور علی ایک مورا بنانے کے واقعے کا آنکھوں دیکھا حال بیان

کرتا ہے۔ منظور علی دیکھتا ہے کہ علمے ماچھی کی لڑکی رضیہ بہت پریشان ہے اور اس پریشانی کے عالم میں اس کی آنکھیں باہر آئی ہوئی ہیں۔ وہ منظور علی کو بتاتی ہے کہ اس کی لاپروائی سے بھینس کا بچھڑا مر چکا ہے۔ وہ گندم کے سٹے چننے چلی گئی اور اس کا بھائی بھینس کی دوا لینے گیا ہوا تھا۔ جب وہ دوپہر کے بعد واپس آئی تو بچھڑا گرمی اور دھوپ کی وجہ سے مر چکا تھا۔ یہ بھی قدرت کا ایک نظام ہے کہ جب بچھڑا دودھ پینے کے لیے بھینس کے تھنوں کو منہ لگاتا ہے تو بھینس تھنوں میں دودھ ڈالتی ہے۔ علمے کی بھینس بچھڑے کے مرنے کے بعد تھنوں کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی تو پھر وہ فضلے مصلی کو بلاتے ہیں جو آکر مورا بناتا ہے۔ فضلا مصلی بچھڑے کی کھال اتار کر اس میں بھس بھر کر جھوٹ موٹ کا بچھڑا بنا دیتا ہے جسے مقامی زبان میں مورا کہتے ہیں۔ جب وہ اس مورے کو بھینس کے قریب لاتے ہیں تو بھینس اپنے تھن دودھ سے بھر لیتی ہے۔ "مورا" افسانے کی طرح مرزا اطہر بیگ "بُلھن" افسانے میں ماہی گیروں کے استعمال میں آنے والی عوامی لفظ بُلھن کی وضاحت کرتے ہیں کہ بُلھن سے مراد ایک ایسی عورت ہے جس کا دھڑ مچھلی کا ہے اور سر عورت کا ہے۔ "پتھر کی ریل" افسانے میں ایک نابینا کردار کے محسوسات بیان کیے گئے ہیں۔

"ٹام اور جیری کی کارٹونی جدلیات"، "ایک نامکمل کہانی" اور "بے افسانہ" میں روایتی کہانی کی ابتدا، اٹھان، تصادم اور انجام کا انداز دم توڑتا محسوس ہوتا ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے ان کہانیوں میں صدیوں پرانے ڈھانچے کو توڑ کر کہانی کی مختلف ساخت کو اردو افسانے کی دنیا میں متعارف کروایا ہے۔ مرزا اطہر بیگ "ٹام اور جیری کی کارٹونی جدلیات" میں نامور فلمی نقاد ڈیوڈ ویسٹ کے خیالات بیان کرتے ہیں۔ ان کے مطابق ٹام اور جیری کی مقبولیت کی وجہ محض چوہے اور بلی کی جدلیات نہیں بلکہ اس جدلیات سے انحراف بھی ہے جو ہیرو اور ولن کے روایتی تصور کو متنزل کر دیتا ہے۔ ٹام اور جیری میں خیر و شر کی جدلیات بھی نظر آتی ہے اور حق و باطل کی روایتی جدلیات بھی۔ اسی طرح وہ اس افسانے میں برنارڈ بیروفسکی کے پیش کردہ ٹام اور جیری کا جدلیاتی مبالغہ کا تجزیہ کرتے ہیں۔ بیروفسکی کے مطابق کارٹونی جدلیات حقیقت اور غیر حقیقت کے تضاد سے جنم لیتی ہے بلکہ موجودہ حقیقت اور کارٹونی حقیقت کے تضاد سے جنم لیتی ہے۔ ایک نامکمل کہانی سب سے دلچسپ اور مکمل ترین کہانی محسوس ہوتی ہے۔ یہ کہانی ایک تشنہ موڑ پر ختم ہو جاتی ہے۔ کہانی کار روایتی عروج کہانی کے ابتدا میں ہی ظاہر ہو جاتا ہے۔ "بے افسانہ" پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ کہانی لکھنے کی کوئی خاص منصوبہ بندی نہیں کی گئی ہے۔ کہانی کار کے خیالات کے بیان میں تسلسل نہیں ہے۔

ایرک پارٹرج سلینگ کے حوالے سے کہتا ہے کہ یہ کسی خاص طبقے یا پیشے کی نمائندگی کے لیے استعمال ہوتے

ہیں۔ مرزا اطہر بیگ نے بسے افسانہ کے کئی افسانوں میں خاص طبقات اور پیشوں کی نمائندگی کے لیے سلینگ کا استعمال کیا ہے۔ "مورا" افسانے میں مویشی پال یا دیہات کی طبقاتی زندگی کو افسانے کے متن میں پرویا ہے۔ رضیہ بھینس کا بچھڑا مرنے پر بہت زیادہ پریشان ہے کہ اب اس کا بھائی اسے بہت زیادہ مارے پیٹے گا کیونکہ اس کی وجہ سے بہت نقصان ہو چکا تھا۔ اس کا بھائی علمہ اس واقعے کا غصہ اتارنے کے لیے رضیہ کو گالیاں دیتا ہے اور بھینس کو ڈنڈے سے بہت زیادہ مارتا ہے۔ اس افسانے میں مرزا اطہر بیگ نے دیہاتی زندگی میں استعمال ہونے والے سلینگ سے کہانی کی منظر کشی کی ہے۔

بس کراوئے علمیا۔ پاغل دیا پُترا۔ اس کا اندر تو پہلے ہلا ہوا ہے اور اوپر سے تو لگا ہے سوٹے مارنے۔[۲]

بھینسوں بھینسوں میں فرق ہوتا ہے۔ یہ تو بڑی کوڑی بھینس ہے۔[۳]

تو علمیا فکر نہ کر۔ بھینس کو کرلیں گے سوتر۔ سب اڑی نکال دیں گے اس کی۔ مورا بنالیں گے۔[۴]

سنا ہے تمہارا کام نہیں بنا۔ اس بار بھی۔ باپ نے بجھتی ہوئی چلم کا لمبا سوٹا لگاتے ہوئے پوچھا۔[۵]

افسانہ "بُلھن" میں بھی ماہی گیری کے پیشے سے متعلق کہانی بیان کی گئی ہے۔ تاجے ماہی گیر کا چھوٹا بیٹا جاموں دریا پر مچھلیاں پکڑنے میں اپنے باپ کی مدد کر رہا ہے۔ تاجا مچھلیاں پکڑنے کے دوران جاموں کو اس کے لاپرواہ رویے کی وجہ سے ڈانٹتا ہے کیونکہ وہ فیروز بڈھے کی سنائی ہوئی داستان کے سحر میں کھویا ہوا ہے۔ اسے اس داستان کے فقرے تھوڑے تھوڑے وقفے سے یاد آتے ہیں۔ بڈھا فیروز کہتا تھا کہ دریا میں بڑے بڑے بھید ہیں اور عجیب و غریب قسم کی مخلوقات ہیں۔ اس داستان میں شہزادے کا دریا عبور کرنے کا بھی ذکر ہے جو اپنے اس سفر کے دوران ایک ایسی حیران کن مچھلی دیکھتا ہے جس کا سر تو عورت کا ہے مگر دھڑ مچھلی کا ہے۔ وہ بُلھن تھی دریائی عورت۔ بُلھن شہزادے پر عاشق ہو گئی اور اسے پھر ملنے کا وعدہ لے کر اسے دریا پار کراتی ہے۔ ماہی گیری کے پیشے سے تعلق رکھنے والے کچھ سلینگ کی مثالیں:

جاؤں تو جاؤں کہاں۔ تو شہزادہ بس ایسے ہی کھڑا تھا اور جی اپنا ڈانوں ڈول کر رہا تھا۔[۶]

کہ دریا سے ایک عورت سر نکالے ہڑ ہڑ دیکھ رہی تھی۔[۷]

مجھے پتا ہے کون تجھے یہ پُٹھی پٹیاں پڑھاتا ہے۔[۸]

کملیا۔ تُلھن تیرے میرے جیسوں کا نظر نہیں آتی۔[9]

گھاس پھونس اور گندپل میں سے کوئی شے ہوگی۔[10]

"دیوار کا تھپڑ" افسانے میں شیخ قائم الدین ایک عمارت کا مالک ہے اور نعیم اس کا کرایے دار ہے۔ اس نے اپنے کرایے داروں کے لیے مختلف اسمائے صفت وضع کر رکھے تھے۔ سب کرایہ داروں کی تین اقسام تھیں۔ پانچ ہزار تک آمدنی والے، دس ہزار والے اور دس سے بیس ہزار تک آمدنی والے کرایے دار تھے۔ نعیم نے گزشتہ سال مالک مکان کو سفیدی کروانے سے منع کر دیا تھا۔ جب نعیم اب دوبارہ اسے سفیدی کروانے سے منع کرتا ہے تو مالک مکان کو اس پر شدید غصہ آتا ہے۔ وہ اپنے اس غصے کا اظہار نعیم کو بُرا بھلا کہہ کر اور گالیاں دے کر کرتا ہے۔ مالک مکان بضد ہے کہ ساری بلڈنگ میں سفیدی ہو رہی ہے تو پھر اس کے کمرے میں بھی ہوگی۔ نعیم باتوں باتوں میں مالک مکان کا ذہن کسی اور طرف لگانے کی طرف کوشش کرتا ہے مگر مالک مکان کی سوئی وہیں اڑی ہوئی ہے۔ بالآخر نعیم راضی ہو جاتا ہے ۔ نعیم اور مالک مکان کے استعمال کردہ سلینگ کی مثالیں:

اور یاداشت کے لیے ان میں سے ہر ایک کے لیے تلنگا۔ کریک۔ چور۔ یتیم۔ ہیرو۔ کالیا۔ لنگو اور چڑیس کے اسمائے صفت وضع کر رکھے تھے۔[11]

اُلو کے پٹھے آخر ایک دن تو قابو آؤ گے۔ ضربیں لگانا۔ اضطراب۔ آخر اس پاگل کے پُتر سے کیسے نپٹا جائے۔[12]

یہ تو ایک ہی حرامی نکلا اس سے تو بچنا چاہیے۔[13]

جی ہاں اللہ کے فضل سے سب کام مکمل ہو چکا ہے۔ بچن ٹیٹ میرا مطلب ہے بس اب پینٹر کا کام باقی ہے۔[14]

ایرک پارٹرج کے مطابق سلینگ صورت حال کی سنجیدگی کو کم کرتے ہیں مزید یہ المیے کی شدت کو کم کرتے ہیں۔ بسے افسانہ کے کچھ افسانوں میں سنجیدہ اور المناک صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ "نقطالی کے بیٹے رموت کا وصیت نامہ" میں مرزا اطہر بیگ نے جو سلینگ استعمال کیے ہیں ان سے نہ تو المیے کی شدت کم ہوتی ہے اور نہ ہی مزاح کی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ اس افسانے میں بادشاہ کی خوراک چکھنے پر معمور اس بدنصیب ملازم کا المیہ بیان کیا ہے

جو اگرچہ بادشاہ سے پہلے شاہی بعام کا مزہ لیتا ہے لیکن زہر خوانی کی کسی کوشش کے دوران جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا خدشہ ہر وقت ایک تلوار کی طرح اس کے سر پر لٹکتا رہتا ہے۔ یہ افسانہ نقطالی کے بیٹے رموت کا اپنے پانچویں اور سب سے چھوٹے بیٹے لاوی کو کردہ وصیت پر مشتمل ہے جس میں رموت اپنے بیٹے کو ایمانداری اور دیانت داری سے راز شاہی کی حفاظت کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ رموت اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے اپنے آباؤاجداد کی شاہی خدمات کا تذکرہ بھی کرتا ہے۔ وہ رموت سے کہتا ہے کہ اگر تو ایمانداری سے اپنا فرض سرانجام دے تو بادشاہ کا کھانا فسادیوں کے فساد سے پاک ہوگا۔ ایک اور المیہ کہ پالاس کے دس بیٹے بادشاہوں کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی قیمتی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس کا ایک بیٹا جو لاوی کی طرح بادشاہ کا کھانا چکھنے پر معمور تھا ایک دفعہ اس نے ایک نوالہ چکھا جس سے اس کی جلد کا رنگ نیلا ہو گیا اور وہ مر گیا۔ رموت بستر مرگ پر اپنے بیٹے کو یہ تمام نصیحتیں کرتا ہے۔ اس افسانے میں استعمال ہونے والے سلینگ:

> سنو یہی گھڑی ہے کہ جس کا جنا اس لائق ہے کہ شاہ کے لقمے کو شاہ سے پہلے جھوٹا کرے اور شاہ کے گھونٹ کو اس سے پہلے کہ وہ شاہ کے دہن میں اتر جائے۔ اپنی جیبھ سے گندا کرے۔ [۱۵]

> اور وہ کہن سال شاعر دھتورے کے گیت گاتا ہے اور کُپلے کے ترانے الاپتا ہے اور دیکھ کہ وہ کیسی واہی تباہی بکتا ہے۔ [۱۶]

> ایسے ہی پالاس کے دس بیٹے کڑیل جوان تھے۔ [۱۷]

> دیکھنا ان میں اس کو جو بعام شاہی کا چٹخارا لے گا اور جیبھ کے سواد کو اندر کھینچے گا۔ اور مارا جائے گا زنجیروں میں۔ [۱۸]

افسانہ " نامکمل۔(پُتلا)۔کہانی" میں پاکستان کی موجودہ صورت حال بیان کی گئی ہے کہ کیسے سیاسی پارٹیوں کے منتظمین کے اپنے ملازموں کے ساتھ ناروا سلوک رکھتے ہیں اور انہیں گالیاں دیتے ہیں۔ یہ ہمارا بہت بڑا المیہ ہے کہ ہمیشہ سے ہی ہمارا سیاسی نظام عدم استحکام کا شکار رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ حکومت مخالف پارٹیوں کا عدم برداشت کا رویہ ہے۔" نامکمل۔پُتلا۔کہانی" میں ایسی ہی صورت حال کی منظر کشی ملتی ہے جس میں پارٹی کے دو بڑے منتظم ہاشم صاحب اور رحمان صاحب احتجاجی مظاہرے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ مظاہرے کے لیے مقررین، مظاہرین، میگا

فون، پھولوں کے ہار، اخباری نمائندے، جلانے والے ٹائر غرض سب انتظامات مکمل ہو چکے ہیں بس جلانے کے لیے پُتلا بنانا ابھی باقی ہے۔ بارش بہت تیز ہونے کی وجہ سے وہ اس کا انتظام نہیں کر سکے اس کی ذمہ داری وہ پارٹی کے پرانے چوکیدار سراج دین کو سونپتے ہیں۔ سراج چوکیدار پہلے پُتلا بنانے سے انکار کرتا ہے پھر رحمان صاحب کی جذباتی گفتگو سے وہ پتلا بنانے کے لیے راضی ہو جاتا ہے۔ سراج دین پُتلا بناتا ہے۔ پھر اگلے دن جب احتجاجی مظاہرے کے دوران شدید بارش ہو رہی ہوتی ہے اور سراج دین پُتلا جل جلانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ کہیں سے پٹرول لاتا ہے اور تیز برستی بارش میں پٹرول ڈال کر آگ لگا دیتا ہے مگر دور کھڑے رہنما اس منظر کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ باران رحمت میں جلتا بے جان پُتلا چیخ و پکار کیوں کر رہا ہے۔ یہ ایک پُتلا جل رہا ہے یا دو پتلے جل رہے ہیں۔ افسانے جیسی المناک اور سنجیدہ صورت حال پاکستان کے سیاسی نظام کے حقیقی منظر نامے پر بھی نظر آتی ہے کیونکہ ایسے بہت سے احتجاجی جلسے جلوسوں میں بہت سے سراج دین جیسے غریب کارکن جل جاتے ہیں، مر جاتے ہیں، کٹ جاتے ہیں اور کوئی ان کے خاندان کو پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ مرزا اطہر بیگ نے اس المناک صورت حال کو بیان کرنے کے لیے جو سلینگ استعمال کیے ہیں اس صورت حال کی سنجیدگی کم نہیں ہوتی بلکہ قاری اس المناک موت سے افسردہ اور خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ اس افسانے سے سلینگ کی مثالیں:

پھر کبھی جب بھوک کے کرُل اسے پریشان کرتے تھے تو جی کرتا تھا کہ جلدی یہ سارا کم ختم ہو۔[۱۹]

اچانک سراج دین کو احساس ہوا کہ وہ نفرت کے اجزا جگاتے جگاتے ہف گیا ہے۔[۲۰]

ساڑ کر سواہ کیے جانے کے قابل لوگوں کو یاد کرنے سے پہلے روٹی ہی تو کھا لینی چاہیے۔[۲۱]

مگر میں صرف اسی قوت لکھتا ہوں جب میرے اندر کوئی ادبی قسم کا مروڑ اٹھتا ہے۔[۲۲]

یہ تم نے کیا بنایا ہے۔ اپنی ماں کا۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ" (یہ گالی ہے)۔[۲۳]

مندرجہ بالا افسانوں کے علاوہ " کیا گھوڑے پر ظلم ہو رہا ہے" اور "مورا" میں بھی المناک اور سنجیدہ صورت حال کی تصویر کشی ملتی ہے۔ "مورا" میں بھینس کا بچھڑا مر جاتا ہے اور گاؤں کے کافی لوگ علمے ماچھی کے گھر جمع ہو جاتے ہیں اور علمہ بھینس کو بہت زیادہ مارتا ہے۔ "کیا گھوڑے پر ظلم ہو رہا ہے" میں دکھایا گیا ہے کہ کیسے بے زبان جانوروں پر ظلم کیا جاتا ہے اور بے زبان بتا نہیں سکتے۔ گھوڑا تو جانور ہے ہمارے معاشرے میں انسانوں پر ہونے

والے ظلم کے بارے میں زبان کھولنے پر پابندی ہے۔جب افسانے کا مرکزی کردار گھوڑے پر ہونے والے ظلم کے بارے میں سوال اٹھاتا ہے تو سب اس کا مذاق اڑاتے ہیں کہ یہ کیا فضول اور احمقانہ سوال ہے۔حتیٰ کہ اس کے اساتذہ بھی اسے فضول سوال ہی سمجھتے ہیں۔ان دونوں افسانوں میں مرزا اطہر بیگ نے جو سلینگ استعمال کیے ہیں ان سے صورت حال کی سنجیدگی کم نہیں ہوتی۔

ایرک پارٹرج کے مطابق مصنف آپ کو مختلف ثابت کرنے کے لیے سلینگ کا سہارا لیتا ہے۔بیسویں صدی میں عظیم افسانہ نگار پیدا ہوئے جن میں سعادت حسن منٹو،راجندر سنگھ بیدی اور منشایاد کے نام قابل ذکر ہیں۔سعادت حسن منٹو وہ عظیم افسانہ نگار ہیں جن کے افسانے آج بھی ذوق وشوق سے پڑھے جاتے ہیں۔منٹو نے اپنے سامنے کی دنیا سے ایسی دنیا دریافت کی جو گمراہ لوگوں کی تھی۔اس دنیا میں اچھے لوگ بھی تھے اور برے بھی۔ایسے ہی لوگ منٹو کے افسانوں کا موضوع تھے۔اگرچہ منٹو کے افسانوں کے موضوعات مرزا اطہر بیگ کے افسانوں سے مختلف تھے مگر افسانوں کے کرداروں کے غصے اور جذبات کا اظہار شاید ملتا جلتا ہے۔منٹو کے افسانوں کے کردار بھی غصے میں اپنی گفتگو کے دوران فُحش الفاظ اور گالیوں کا استعمال کرتے ہیں۔داور ملک نے منٹو کے بہترین سو افسانے جمع کیے ہیں جن میں منٹو اور مرزا اطہر بیگ ایک ہی انداز میں سلینگ استعمال کرتے محسوس ہوتے ہیں۔منٹو کے بہترین سو افسانے سے سلینگ کی مثالیں:

"پھر وہ اپنے منہ کے آگے دونوں ہاتھوں کا بھونپو بنا کر چلایا بھائی ہوگا تیری ماں کا جنا۔۔۔یہاں سب تیری ماں کے یار ہیں"

"رام سنگھ کی تشویش بھری آواز بلند ہوئی تو اڑا دے گا کمہار کے کھوتے"

"بس صرف ایک بار غصے یا طنزیہ انداز میں کسی کو الو کا پٹھا کہہ دے"

"اس سالی کانگرس نے شراب بند کر کے بازار بالکل مندا کرادیا ہے"

تو یہ کیا ٹر ٹر کرتا ہے۔ایک پھوٹی کوڑی بھی دی ہے کبھی تو نے"

"یوں ایک ایک چھوکری اتارنے میں دو دو گھنٹے سر کھپانا پڑے تو میں اپنا دھندا کر چکا"

"یہ شرمندگی دور کرنے کے لیے اس نے کچھ سوچا۔۔۔میں نے اس موئے کو دکھانے کے لیے"

"تیری ماں کا سر۔۔۔تو ہوتا کون ہے مجھ سے ایسے سوال کرنے والا"

چور یا گٹھ کترا۔۔؟اس وقت تو میرے مکان میں کرنے کیا آیا ہے"

"ناک میں دم کرر کھا ہے ان بندروں کی اولاد نے"

"تیری اس گنجی کھوپڑی پر بال اگ آئیں"

"یہ سن کر گورا حیران ہو گیا"۔[۲۴]

راجندر سنگھ بیدی سعادت حسن منٹو کے ہمعصر ڈرامہ نویس، افسانہ نگار اور فلم ہدایت کار تھے۔ راجندر سنگھ بیدی نے اردو کے افسانوی ادب کو وسعت بخشی۔ ان کے افسانوی مجموعوں میں دانہ و دام ،گرہن ،کوکھ جلی ،اپنے دکھ مجھے دے دو ،ہاتھ ہمارے قلم ہوئے اور مکتی بودھ شامل ہیں۔ بیدی کے افسانوں میں تشبیہات ،استعاروں اور مقامی زبان کے الفاظ کے استعمال سے احساسات کو جگانے والا تاثر پیدا ہوتا ہے۔ بے افسانہ اور کوکھ جلی پڑھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مرزا اطہر بیگ مقامی زبان کے الفاظ استعمال کرنے میں کسی حد تک راجندر سنگھ بیدی سے بھی متاثر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوکھ جلی میں استعمال ہونے والے بہت سے سلینگ بے افسانہ میں بھی ملتے ہیں۔ ان سلینگ کی مثالیں ٹٹ پونجیا، اکا دکا ڈھکوسلا، حرامزی، رنڈی ،مشتنڈا، بڑھاوغیرہ ہیں۔ کوکھ جلی سے سلینگ کی مثالیں:

نا۔ نا۔۔۔۔ انہتر۔۔۔۔ سن باسٹھ۔ تیری ماں کے پاس چلا گیا۔ الو کا پٹھا۔[۲۵]

ایک ٹٹ پونجیا اپنی آنکھوں آنکھوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا آگے بڑھا۔[۲۶]

اکا دکا معمولی حیثیت کی عورت چوک مولا داد چیل ہٹہ تک گزرتی ہوئی کبھی کبھار یہاں رک جاتی تھی۔[۲۷]

بکواس ہے سب پونکھا وونکھا بکواس ہے۔[۲۸]

راجندر سنگھ بیدی کے افسانوی مجموعے کوکھ جلی کے ان جملوں میں سلینگ کے استعمال سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انھوں نے اپنے ارد گرد کے معاشرے کی زبان کو اپنے افسانوی کرداروں کی زبان میں ڈھال دیا ہو۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں ایسے سلینگ کا انتخاب کیا ہے جو ان کے اسلوب کی ماہیت اور معنویت پر پورا اترتے ہیں۔ یہ بھی مرزا اطہر بیگ کی طرح گالی گلوچ کی زبان استعمال کرتے ہیں جیسے الو کا پٹھا۔ سلینگ کے استعمال سے ان کے افسانوں کا اسلوب سپاٹ نہیں رہتا جس سے قاری اجنبیت اور

اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بیدی کی زبان پنجابی لہجے اور مقامی بولیوں کا بھی کافی اثر ہے۔

سب سے بڑا ڈھکوسلا تو یہ پونکھا ہے۔[۲۹]

اس نے ناحق اس مشٹنڈے کو پال رکھا ہے۔[۳۰]

صفدر گورا چٹا ہے۔[۳۱]

ان سفید بالوں سے اسے بڈھانہ سمجھ لینا بجو باورے۔[۳۲]

دفتر جانے والوں کے ساتھ اب اسکول کی چھوکریاں بھی نکل آئی تھیں۔[۳۳]

اگر اکیسویں صدی کے پاکستانی افسانہ نگاروں کے حوالے سے بات کی جائے تو محمد حمید شاہد مشہور و معروف پاکستانی افسانہ نگار، ناقد اور ناول نگار ہیں۔ان کے افسانوی مجموعوں میں بند آنکھوں سے پرے ،جنم جنم ، مرگ زار اور پارو شامل ہیں۔حمید شاہد کے افسانوں میں زبان سلیس اور رواں ہے جس کی وجہ سے اردو بولنے اور سمجھنے والے قاری کو ان کے افسانے پڑھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔رشید امجد کا شمار اکیسویں صدی کے اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔تمنا بے تاب ،کاغذ کی فصیل ،بیزار آدم کے بیٹے،ریت پر گرفت،سہ پہر کی خزاں ،پت جھڑ میں خود کلامی ،بھاگے ہے بیاباں مجھ سے ،دشت نظر سے آگے ،عکس بے خیال،دشت خواب ،گم شدہ آواز کی دستک ،ست رنگے پرندے کے تعاقب میں ،ایک عام آدمی کا خواب اور عام آدمی کے خواب شامل ہیں۔ان میں سے آخری تین افسانوی مجموعے اکیسویں صدی میں شائع ہوئے ہیں۔وہ اپنے افسانوں میں تشبیہ،استعاروں اور علامت کا استعمال کرتے ہیں۔تمثیل اور تلمیح سے اپنے افسانوں کے بیانیے میں وسعت پیدا کرتے ہیں۔

سعادت حسن منٹو اور راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں میں سلینگ کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مرزا اطہر بیگ نے اپنے افسانوں میں سلینگ کو استعمال کر کے ان عظیم افسانہ نگاروں کی روایت کو زندہ کیا ہے۔اکیسویں صدی کے دو اہم افسانہ نگاروں رشید امجد اور حمید شاہد کے ہاں سلینگ کا استعمال نہیں ملتا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ

مرزا اطہر بیگ ماضی کے افسانہ نگاروں سے متاثر ہیں اور اپنے ہم عصروں سے سلینگ کے استعمال کی وجہ سے منفرد ہیں۔

ایرک پارٹرج کے مطابق سلینگ کسی تلخ حقیقت کے اقرار یا اس سے انحراف کے لیے مروج ہیں۔ مرزا اطہر بیگ نے اپنے افسانوں میں ناولوں کی طرح بے باکی کے ساتھ معاشرتی تلخیاں بیان نہیں کیں۔ ان کے افسانوں کی کہانیاں روایتی کہانیوں سے مختلف ہیں۔ کچھ افسانوں کے کردار ذہنی کشمکش کا شکار ہیں اس لیے وہ عام انسانوں کی طرح نہیں سوچتے۔ وہ عجیب و غریب حرکتیں کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کی مثال "کیا گھوڑے پر ظلم" ہو رہا ہے میں اس افسانے کا مرکزی کردار ایک گھوڑے کو دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے۔ اس کا ذہن اسی ایک سوال میں اٹک جاتا ہے کہ کیا گھوڑے پر ظلم ہو رہا ہے۔ وہ اپنا یہ سوال کالج کے اساتذہ سے بھی پوچھتا ہے اور تضحیک کا نشانہ بنتا ہے۔ افسانہ نگار نے اس سوال کے ذریعے معاشرے کی اس تلخ حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ یہاں تو انسانوں پر پابندیاں ہیں کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو نہیں بتا سکتے گھوڑا تو پھر جانور ہے۔

ایک اور افسانے " نامکمل پتلا کہانی "میں ہمارے معاشرے کی سیاسی صورت حال کی تلخ حقیقت بیان کی گئی ہے۔ ہمارے سیاست دانوں کے رویے پر طنز کیا گیا ہے کہ کیسے ہمارے سیاست دان اپنے ملازموں کو گھٹیا سمجھتے ہیں اور ان کو بات بات پر گالیاں دیتے ہیں۔ جلسے جلوسوں کے لیے شاندار انتظامات کرتے ہیں۔ "مورا" افسانے میں دیہاتی طبقے کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ دیہاتی لوگ چھوٹے چھوٹے نقصان سے پریشان ہو جاتے ہیں اور اپنے غصے کا اظہار مار پیٹ اور گالیوں سے کرتے ہیں۔ علمہ شدید غصے میں اپنی بہن کو گالیاں دیتا ہے اور بھینس کو ڈنڈے سے مارتا ہے۔ افسانہ " ایک نامکمل کہانی "کا مرکزی کردار عجیب قسم کی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔ وہ ان لمبی قطاروں میں کئی دفعہ لگ چکا ہے جو ملازمتیں حاصل کرنے والوں کی لگی ہوتی ہیں۔ محض افسانے میں ایسا نہیں بلکہ پاکستان کی موجودہ صورت حال اس تلخ حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ پڑھا لکھا نوجوان طبقہ ملازمتوں کے لیے دھکے کھا رہا ہے۔ کچھ دن وہ اپنے جان پہچان والے دوستوں سے مفت کھانا کھاتا ہے تو وہ بھی اس سے نظریں چرانے لگتے ہیں۔ جب وہ ریلوے اسٹیشن پر برف کی طرح منجمد ہو جاتا ہے پھر اسے وہاں سے ریلوے کا ملازم بابا رمضان اپنے کوارٹر میں لے جاتا ہے۔ وہاں اس کی بیوہ بیٹی اپنے ایک بچے کے ساتھ رہتی ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار بابے رمضان کی بیوہ بیٹی جمیلہ میں

دلچسپی لینے لگتا ہے۔ مگر کہانی ایک تشنہ موڑ پر ختم ہو جاتی ہے۔اس کہانی کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ اس کا کلائمکس ابتدا میں ہی ظاہر ہو جاتا ہے جس وجہ سے قاری اس کہانی کو دلچسپی سے بیان کرتا ہے۔اس افسانے سے سلینگ کی کچھ مثالیں:

> اس دن جب کہ میرے باپ کو مرے تین سال، میری ماں کو گنجے سر والے بے تکے رنڈوے سے شادی کیے۔[۳۴]

> خوب صورت، بدصورت، جوان، بوڑھی عورتوں سے فضا میں پھیلے دھوئیں اور لید کے آمیزے سے ---- نفرت نفرت۔[۳۵]

> وہ مجھے ایک انتہائی نکھٹو، ناکارہ اور کام چور قسم کا انسان سمجھتے تھے۔[۳۶]

ایرک پارٹرج کہتے ہیں کہ سلینگ کی بدولت زبان میں نئے اضافے ہوتے ہیں۔اگر مقامی زبان کے یہ الفاظ معیاری زبان کا حصہ قرار پاتے ہیں تو ان سے یقیناً کسی بھی زبان میں نئے الفاظ شامل ہوں گے۔زندہ زبانوں میں یہ گنجائش ہمیشہ موجود ہوتی ہے کہ ان میں نئے الفاظ کی شمولیت سے زبان کی زندگی میں اضافہ ہوتا رہے۔سلینگ میں فُحش الفاظ بھی شامل ہوتے ہیں جن کا استعمال معاشرے میں کچھ اچھا نہیں سمجھا جاتا لیکن پھر بھی معیاری زبان میں ان کی شمولیت سے زبان میں نئے الفاظ شامل ہوتے ہیں۔

مرزا اطہر بیگ نے اپنے ناولوں کی نسبت بے افسانہ میں سلینگ کا استعمال زیادہ نہیں کیا۔بے افسانہ میں شامل "لکھے لکھائے خطوط کا جنون"، "سخت پلاسٹر میں اندمال" اور "ٹام اور جیری کی جدلیات" میں سلینگ کا استعمال نہیں ہے۔اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان افسانوں کی کہانیاں اور کردار ایسے تھے کہ جن میں سلینگ کا استعمال مناسب نہیں تھا۔

اس باب میں مرزا اطہر بیگ کے افسانوی مجموعے بے افسانہ میں سلینگ کا تجزیہ کیا گیا ہے۔اس افسانوی مجموعے میں تین افسانے ایسے ہیں جن میں کوئی سلینگ نہیں ملتا باقی کہانیوں میں سلینگ کا استعمال ملتا ہے لیکن ناولوں کی نسبت کم۔مرزا اطہر بیگ نے بے افسانہ کے کئی افسانوں میں خاص طبقات اور پیشوں کی نمائندگی کے لیے سلینگ استعمال کیے ہیں۔مُورا افسانے میں دیہات کی زندگی اور اس کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔مورا افسانے میں سلینگ کی مثالیں پاغل دیا پترا، سوٹے، کوڑی، اڑی، مورا اور لمبا سوٹا ہیں۔افسانہ بُلھن میں ماہی گیری کے پیشے میں

استعمال ہونے والے سلینگ ملتے ہیں۔دیوار کا تھیٹر میں کرایے داروں اور مالک مکان کے استعمال کردہ سلینگ ملتے ہیں۔ایسے سلینگ کی مثالیں تلنگا، کریک، کالیا، گنٹکو، چمڑیس، حرامی، ٹچن ٹیٹ وغیرہ ہیں۔

کچھ افسانوں میں سنجیدہ اور المناک صورت حال پیدا ہوتی ہے ۔نقطالی کے بیٹے رموت کا وصیت نامہ میں بدنصیب ملازم کا المیہ بیان کیا گیا ہے جو بادشاہ کی حفاظت کے پیش نظر اس کے کھانا کھانے سے پہلے اس کا شاہی طعام چکھتا ہے تاکہ اگر کسی نے زہر ملایا ہے تو بادشاہ اس زہر سے محفوظ رہے۔اس کہانی کو بیان کرنے کے لیے مرزا اطہر بیگ نے جو سلینگ استعمال کیے ہیں ان سے نہ تو المیے کی شدت کم ہوتی ہے اور نہ ہی مزاح کی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح افسانہ نامکمل پُتلا کہانی میں پاکستان کی موجودہ سیاسی صورت حال بیان کی گئی ہے۔سیاسی نظام کا یہ المیہ سیاسی منظر نامے پر نظر آتا ہے جس میں سیاسی پارٹیوں کے منتظمین اپنے ملازموں کے ساتھ ناروا سلوک رکھتے ہیں اور انہیں گالیاں دیتے ہیں۔سیاست دانوں کے اس رویے سے دل برداشتہ ہو کر سراج دین مصنوعی پتلے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی آگ لگا لیتا ہے۔

بے افسانہ کے مطالعے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا اطہر بیگ نے معاشرتی تلخ حقائق کو بیان کرنے کے لیے جو سلینگ استعمال کیے ہیں ان سے طنز کی صورت حال تو پیدا ہوتی ہے مگر مزاح کی نہیں۔سلینگ کے اس استعمال سے مرزا اطہر بیگ نے اردو کے افسانوی ادب کی تخلیقی زبان کی نئی جہات سے روشناس کروایا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ماورائے_حقیقت_پسندی/https://ur.wikipedia.org/wiki
۲۔ مرزا اطہر بیگ،بے افسانہ،(لاہور:سانجھ پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء)،ص ۵۰۔
۳۔ ایضاً،ص ۵۰۔
۴۔ ایضاً،ص ۵۰۔
۵۔ ایضاً،ص ۵۲۔
۶۔ ایضاً،ص ۵۸۔
۷۔ ایضاً،ص ۵۸۔
۸۔ ایضاً،ص ۶۰۔
۹۔ ایضاً،ص ۶۲۔
۱۰۔ ایضاً،ص ۶۳۔
۱۱۔ ایضاً،ص ۷۷۔
۱۲۔ ایضاً،ص ۷۸۔
۱۳۔ ایضاً،ص ۷۸۔
۱۴۔ ایضاً،ص ۷۹۔
۱۵۔ ایضاً،ص ۱۷۔
۱۶۔ ایضاً،ص ۲۱۔
۱۷۔ ایضاً،ص ۲۳۔
۱۸۔ ایضاً،ص ۲۵۔
۱۹۔ ایضاً،ص ۲۸۔
۲۰۔ ایضاً،ص ۳۲۔
۲۱۔ ایضاً،ص ۳۲۔
۲۲۔ ایضاً،ص ۳۳۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۳۴۔

۲۴۔ سعادت حسن منٹو، منٹو کے سو بہترین افسانے، (لاہور: اردو پبلک لائبریری، ۲۰۰۶ء)۔

۲۵۔ راجندر سنگھ بیدی، کوکھ جلی، (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۱۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۱۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۵۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۲۴۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۴۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۲۶۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۶۶۔

۳۲۔ ایضاً، ص ۸۸۔

۳۳۔ ایضاً، ص ۱۳۶۔

۳۴۔ مرزا اطہر بیگ، بے افسانہ، ص ۱۱۸۔

۳۵۔ ایضاً، ص ۱۲۱۔

۳۶۔ ایضاً، ص ۱۲۴۔

باب چہارم:

فرہنگ

باب چہارم:

فرہنگ

فرہنگ کے عام معنی جو اردو زبان میں مروج ہیں وہ لغت یاڈکشنری کے ہیں۔ لغت اور فرہنگ میں واضح فرق موجود ہے۔ اگر لغت کو بطور اصطلاح استعمال کیا جائے تو اس سے مراد وہ علم ہے جس سے کسی زبان کے معنی اور طریقہ استعمال معلوم ہو۔ لغت میں کسی بھی زبان کے الفاظ کو کسی خاص ترتیب کے لحاظ سے املا، تلفظ اور ماخذ کو بیان کرتے ہوئے حقیقی، مجازی اور اصطلاحی معنوں کے ساتھ درج کیا جاتا ہے جبکہ فرہنگ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی عقل ودانش، سمجھ بوجھ، علم وفراست، دانائی اور سمجھ کے ہیں۔ فارسی لغت نویسوں کے نزدیک فرہنگ الفاظ کے معنی بتانے والی کتاب ہے۔ شروع میں اردو زبان میں فرہنگ اور لغت میں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ لغت کو فرہنگ اور فرہنگ کو لغت کے معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔ جیسے فرہنگ آصفیہ جو کہ اردو کی معروف اور مشہور لغت ہے اسے فرہنگ کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین لغت اور فرہنگ کے باہمی فرق کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

> فرہنگ میں لفظ کے وہ ہی معنی دیے جائیں جو متن میں مراد ہیں دوسرے مفاہیم درج نہ کیے جائیں۔[1]

شاہینہ تبسم فرہنگ کلام میر: مع تنقیدی مقدمہ میں فرہنگ اور لغت میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ اردو میں فرہنگ اور لغت یہ دونوں الفاظ کچھ اس طرح سے استعمال ہوتے رہے ہیں کہ اردو زبان کا عام قاری انہیں ایک دوسرے کا مترادف سمجھنے کی غلطی کرتا رہا ہے۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی اس غلطی میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ انگریزی زبان میں لغت کے لیے لفظ ڈکشنری اور فرہنگ کے لیے گلوسری (Glossary) استعمال کیا جاتا ہے۔ لغت یاڈکشنری کسی زبان کے الفاظ کے اس مجموعے کو کہتے ہیں جس میں نہ صرف الفاظ بلکہ ان کے معنی، مرادف اور اصل وغیرہ کی بھی تشریح ہوتی ہے۔ اس لیے کسی زبان کی لغت کو اس زبان کے بولنے والوں کے مزاج اور افکار کا آئینہ دار سمجھا جاتا ہے۔ گلوسری یا فرہنگ الفاظ کی تشریح یا توضیح ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے فرہنگ کو تشریحات کا ایسا مجموعہ کہا جاسکتا ہے جس میں کسی کتاب کے دقیق الفاظ، اشارات اور اصطلاحات و تلمیحات وغیرہ کی تشریح کی گئی ہو۔[2]

لغت میں ہر لفظ کے متعلق یہ بتانا ضروری ہوتا ہے کہ وہ کب، کس طرح اور کس شکل میں اردو زبان میں آیا۔ لفظ کے وجود میں آنے سے لے کر اب تک اس کی شکل وصورت اور معنی میں کیا کیا تغیر و تبدل رونما ہوئے۔ کون کون سے معنی متروک ہو گئے اور کون کون سے اب تک باقی ہیں۔ ان تمام امور کی توضیح کے لیے زبان کے ادیبوں اور شاعروں کے کلام کی مثالیں بھی پیش کرنا ہوتی ہیں جبکہ فرہنگ میں لفظ کے زمانی تغیر اور تبدل سے بحث کیے بغیر مخصوص متن میں لفظ کے سیاق و سباق کے حوالے سے معنی فراہم کیے جاتے ہیں۔ لغت میں ایک لفظ کے جتنے بھی معنی ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب بیان کیے جاتے ہیں جبکہ فرہنگ میں موزوں ترین معنی درج کیے جاتے ہیں۔ لغت میں لفظ کی لغوی معنی کے ساتھ مرادی معنی بھی درج کیے جاتے ہیں جبکہ فرہنگ میں مرادی معنی درج نہیں کیے جاتے ۔ بعض الفاظ کے ایک سے زیادہ تلفظ رائج ہوتے ہیں۔ لغت میں مروج تمام تلفظ درج کیے جاتے ہیں جبکہ کسی مخصوص مصنف کی فہرست بناتے وقت وہی تلفظ درج کیے جاتے ہیں جو اس نے استعمال کیے ہیں۔ مختصر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرہنگ میں عموماً کسی زبان کے تمام الفاظ کی بجائے صرف مخصوص الفاظ، تراکیب، اصطلاحات اور تلمیحات ہی شامل کی جاتی ہیں۔ اس لیے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ فرہنگ ایک مخصوص لغت ہی ہوتی ہے۔

جس زبان کی اپنی فرہنگ نہ ہو وہ نامکمل ہے۔ کوئی بھی فرہنگ ان الفاظ کے قیمتی خزانے سے معمور ہوتی ہے جو ہماری زبان کی زینت ہوتے ہیں۔ فرہنگ ہمیشہ کسی بھی کتاب میں طلبہ اور نئے قارئین کی سہولت کے لیے بہت اہمیت اور افادیت کی حامل ہوتی ہے۔ کتاب کے آخر میں فرہنگ میں موجود دقیق اور نامانوس الفاظ و محاورات اور تراکیب و اصطلاحات کے مطالعے سے طالب علموں پر زبان کی نئی تشریحات کی گرہیں کھلتی ہیں۔ علمی، ادبی اور خاص طور پر کلاسیکی کتب میں فرہنگ کے مطالعے سے نئے قارئین کے لیے معنی کی ترسیل آسان ہو جاتی ہے۔

مرزا اطہر بیگ اپنی فکشن میں بہت زیادہ سلینگ کا استعمال کرتے ہیں۔ مرزا اطہر بیگ کی فکشن کے مطالعے کے بعد قارئین اس کی منفرد زبان کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار کرتے ہیں۔ بعض لوگ یہ شکایت کرتے نظر آتے ہیں کہ اردو اور انگریزی کے مشکل الفاظ کو استعمال کر کے نثر کو خواہ مخواہ ثقیل بنایا گیا ہے۔ عجیب و غریب قسم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو عام سننے اور بولنے میں نہیں آتے۔ ایسا قاری جو ادبی زبان سے ناآشنا ہو وہ مرزا اطہر بیگ کی استعمال کردہ زبان کی بھول بھلیوں میں خود کو گم ہوتا محسوس کرتا ہے مگر کہانی کی سادگی سے ایسا ہوتا نہیں ہے۔ مرزا اطہر بیگ کی فکشن میں استعمال ہونے والے سلینگ کی فرہنگ درج ذیل ہے۔

مرزا اطہر بیگ کی فکشن میں سلینگ

فرہنگ

آل وال: کنبہ، نسل، اولاد، بیٹے، پوتے
اب کچھ ہو نہیں سکتا تھا لیکن اسے بھی تو اپنے آل وال وغیرہ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔

(ص ت: ۲۴۱)

اڑیل: اڑ جانے والا، ضدی، ہٹیلا، خود سر، سر کش
اڑیل خواتین کو رام کرنے کے فنکار۔۔۔ایک بار انھوں نے مجھے بھی توڑا کرانے کا مشورہ دیا تھا۔

(غ ب: ۶۸۴)

اتھل پتھل: الٹ پلٹ، اوپر نیچے، بے ترتیب، متلائی ہوئی طبیعت
نشست کی اونچ نیچ سے سب کچھ اتھل پتھل ہو جاتا ہے۔

(ح ص: ۱۷)

اکھ مٹکا: خفیہ عشق معاشقہ، چوری آنکھیں ملانا
مجھے تو پہلے سے ہی پتہ تھا یہ ہو گا۔۔۔جب اکھ مٹکا شروع ہوا۔

(غ ب: ۲۱۴)

اٹھائی گیرے: آنکھ بچا کر پرائی چیز اٹھانے والے، جیب کترا، ڈکیت
چور۔اٹھائی گیرے۔۔۔بد معاش۔میرا بیگ چرا رہا ہے۔

(ح ص: ۴۸۵)

اول فول: سخن لغو و بیہودہ، مغلظات، گالی، دشنام
اسے کچھ بھی اول فول بولتے رہنا چاہیے۔

(غ ب: ۵۴۹)

اناپ شناپ: بے اندازہ، بے معنی، بے ہودہ، غیر متناسب، واہی تباہی، اوٹ پٹانگ، بد تمیزی سے
لیکن پھر اچانک اس کے اناپ شناپ خیالوں میں ایک چھپاکا سا ہوا اور ذہن میں کچھ جرٔت ہونے لگی۔

(غ ب: ۱۸۶)

اوٹ پٹانگ: بیہودہ، واہیات، بے معنی، لغو، فضول، بے میل، بے جوڑ
تو یاور عطائی کوئی شوقیہ نیم حکیم قسم کی چیز ہے اور اپنی کوئی اوٹ پٹانگ دوائی کھا لینے کی وجہ سے اس حال کو پہنچا ہے۔

(غ ب: ۵۰)

ایویں: ایسے ہی، فضول سا
پر اس کے سامنے جی زہرہ کے سامنے بس ایویں ہی لگتا ہے۔

(غ ب:۲۱۴)

ادھ موا: نیم جان، مرنے کے قریب، تباہ حال، کمزور

گزشتہ کئی دنوں کا غصہ ان فسادیوں پر اتارا اور مار مار کر انہیں ادھ موا کر دیا۔

(ح ص:۸۳)

ایسی تیسی: ایک کلمہ جسے مہذب لوگ گالی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اس کا مترادف لعنت اور پھٹ کار ہے۔

تیری درکاری کی۔۔۔۔ایسی تیسی۔ چھوڑ۔۔۔۔

(ح ص:۴۸۵)

اوئے کتے: کسی کو مخاطب کرتے ہوئے گالی دینا

ماسٹر یاسین: اوئے کتے کے ساتھ تو بُری ہوئی۔

(ح ص:۱۶۲)

اونے پونے: کم قیمت، سستا، تھوڑا بہت

اونے پونے خریدی قیمتی چیزیں سب اکٹھی کر کے سال میں ایک بار گرم میدانوں میں واقع کباڑیے کے شہر میں لا کر اس کے پاس بیچتا تھا۔

(ح ص:۴۴)

الٹاکاکا: ایسا بچہ جس کی پیدائش کے وقت پہلے پیٹھ باہر آئی ہو۔

آج لوہاروں کے گھر الٹاکاکا پیدا ہوا۔

(ص ت:۲۳۱)

اڑی نکالنا: ضد ختم کرنا، ابردستی بات منوانا، اڑی ختم کرنا

سب اڑی نکال دیں گے اس کی مُور ابنالیں گے۔

(ب ا:۵۰)

اٹھے اٹھ مارنا: گپیں لگانا، وقت ضائع کرنا

سودائیوں کی طرح اٹھے اٹھ نہ مارا کر جاموں۔

(ب ا:۶۰)

اُلو کے پٹھے: گالی

اُلو کے پٹھے آخر ایک دن تو قابو آؤ گے۔

(ب ا:۷۸)

بُلھن: ایسی مخلوق جس کا سر عورت کا ہو اور دھڑ مچھلی کا

وہ تو بُلھن تھی بُلھن۔ دریائی عورت۔

(ب ا:۵۹)

بک بک: بیہودہ بکنا، ہرزہ سرائی کرنا، خواہ مخواہ بولنا، فضول بولنا

او یہ کوئی بات بھی تو کرے جی بڈھا۔ ایک ہی بک بک کیے جاتا ہے۔

(ب ا:۱۱۲)

بکھیڑے: جھمیلے، جھگڑے

تیرے اپنے بکھیڑے ہیں اس کے اپنے۔

(غ ب:۱۵۹)

بڑبڑ کرنا: جھک جھک کرنا، بکواس کرنا، بک بک کرنا

اس پر اس نے بڑی بڑ بڑ کی ،اور تو رہنے دے عرس۔۔۔۔آیا بڑا۔۔۔۔ پھر پتا نہیں کیا منہ ہی منہ میں کہتا رہا۔

(ح ص:۴۶۷)

بہن چود: ایک گالی ،بہن کے ساتھ برا کام کرنے والا،بہن کے ساتھ زنا کرنے والا

آپ خود بڑا زانی ہے۔بہن چود۔

(ح ص:۷۹)

بول و براز: پیشاب،پاخانہ

اس کی کوئی بھی چیز عامیانہ اور گھٹیا نہیں ہوسکتی۔اس کا بول و براز۔۔۔۔اس کا فضلہ بھی۔

(ح ص:۶۴)

بوسہ بازی: چومنا

اس میں بعض کافی پرانے سالار بزرگوں کے انگریز حاکموں سے بوسہ بازی کے یک طرفہ تعلق کا گہرا عمل دخل ہے۔

(ص ت:۸)

بُولی کتا: کتوں کی ایک خاص نسل سے تعلق رکھنے والا کتا،بطور گالی بھی مستعمل ہے

ہاں ۔ رانا۔ تھانیدار ۔ایک بہن چود ہے ۔۔۔۔ بُولی کتا۔۔۔۔

(ح ص ۴۶۴)

بجو سیٹھ: ایک قسم کا گوشت خور جانور جو دن بھر بلوں میں رہتا ہے اور رات کو باہر نکلتا ہے ،اس کی آنکھیں بہت چھوٹی ہوتی ہیں ۔بجو سیٹھ کا مطلب چھوٹی آنکھوں والا سیٹھ،چالاک

بجو سیٹھ کی نظریں کافی گندی تھیں۔

(ح ص:۲۵۵)

بھد اُڑے گی: بے عزتی ہو گی،رسوائی ہو گی،خواری ہو گی

لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کر پاتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایسا کرنے سے اس پر خوب بھد اُڑے گی۔

(ح ص:۱۱۶)

بول بلارا: اونچی آواز میں بات چیت کرنا،شور و غل کرنا،بلند آواز میں تکرار یا بحث کرنا

ان کا کام بڑھ جاتا تھا اور وہ بول بلارا کرتی پھرتی تھیں۔

(ح ت:۸)

بکواس: بے تکی باتیں ،فضول گوئی ،بیکار اور فضول کام

تم بند کرو بکواس۔ادھر فلم والا بولا۔

(ح ص:۴۳۳)

بھوت پھیری: ذہن میں برے خیالات آنا،شیطانی خیالات آنا،وسوسے آنا

نہ یہ نامراد آتا نہ میرے دماغ میں یہ بھوت پھیری آتی کہ کوتل سالاروں کے منشی کو بھی تو اپنا کوئی آخری کھاتا کھولنا چاہیے۔

(ص ت:۷)

بدمعاشی: شرارت،حرام خوری،بدذاتی،بدچلنی

یہ حس مزاح نہیں پرلے درجے کی بدمعاشی ہے۔

(غ ب:۲۰۸)

بڈھا: بہت بوڑھا، سال خوردہ، بہت کمزور

پر وہ اپنا بڈھا لے کر ایمر جنسی میں گھسا ہوا ہے۔

(غ ب:۲۱۶)

بھڑک: اونچی آواز میں بات کرنا ،بلند آواز میں دھاڑنا، وحشت، اشتعال، ابھار، چمک دمک

کم بخت گورے کی بھڑک پر کس طرح پیپہ شاب خطا ہو جاتا ہے ہم لوگوں کا

(غ ب:۲۴)

بُو: بدبُو، سرانڈ آنا

اس ہوا میں چندر گُپت موریا کی بغلوں کی بُو ہے۔

(غ ب:۲۱۰)

بھدی بھدی: بد شکل، بدصورت، گنوار

اس حال تک پہنچنے والی سب موٹی موٹی بھدی بھدی سرخیاں اور ان کے ضروری ضروری متن دہراؤں گا۔

(غ ب:۲۶۱)

بھک ننگ: غربت، مفلسی

پر پھر بھی مانگر جاتی بھک ننگ اور کال سے اجڑ ہی گئی۔

(غ ب:۲۶۸)

بھانڈ: مسخرے ،نقال ،پیٹ کے ہلکے ، جھوٹی تعریف کرنے والے

مجھے بھانڈوں کا خیال آیا کہ ان کا بھی Cyber Space میں کوئی مقام بنتا ہے۔

(ص ت:۹)

بدمعاش: وہ شخص جس کی روزی برے کاموں پر منحصر ہو، حرام خور، شریر، لچا

اگو جگر کسی زمانے میں بدمعاش تھے۔

(ص ت:۴۳)

بچڑخانہ: مذبح خانہ، جانوروں کو ذبح کرنے کی جگہ

میں اصطبل میں تو رہ سکتی ہوں لیکن بچڑ خانے میں نہیں۔

(ح ص ۵۵۱)

پھڈا: جھگڑا، بکھیڑا، جھمیلا

گورے آقاؤں کی نسل میں کسی کے ساتھ پھڈا اڈالنے کی کوشش نہیں کرے گا خواہ وہ گورا جرمن ہی کیوں نہ ہو۔

(غ ب:۴۰۵)

پھکڑتول کر: گالیاں دے کر، برا بھلا کہہ کر

باقی فقرہ کبیر نے اپنی مقامی بولی میں کچھ جان دار پھکڑ تول کر مکمل کیا۔

(غ ب، ۳۲)

پھڑکانا: مارنا، قتل کرنا

وہ آوارہ کتے پھڑکا رہے ہیں۔

(ص ت:۱۸۳)

پھڑمارنا: یاوہ گوئی کرنا،اوقات سے بڑھ کر باتیں کرنا، جھوٹی باتیں کرنا،فضول باتیں کرنا

میں پھڑمار بیٹھا تھا کہ ذکی اپنا دوست کمپیوٹر کا ایکسپرٹ ہے۔

(ص ت:۲۲)

پٹی بھرا: ایک ہی شعبے سے تعلق رکھنے والے ملازمین۔

شاداور بابا سبحان سالار منزل کے دونوں ملازمین دراصل مجھے اپنی پٹی بھرا سمجھتے تھے۔

(ص ت:۶۰)

پاگل کاپُتر: پاگل،دیوانہ،مجنوں،احمق،بے وقوف، بے عقل

کہتا ہے شادی پر لاؤ اسے کسی طرح۔زہر آلود ہنسی۔ پاگل کاپُتر۔

(ح ص:۲۱۱)

پدگھٹنیاں: تنگ پتلون،پینٹ

یہ جنہوں نے پدگھٹنیاں پہنی ہوئی ہیں۔گلوں میں پھاہ ڈالے ہوئے ہیں۔

(ح ص:۳۷۷)

پیں بول گئی: بس ہو گئی،ہمت ختم ہو گئی، حوصلہ نہ رہا

Douserبیٹھ گیا ہے۔Shutterکی پیں بول گئی ہے۔

(ح ص:۲۲۷)

پُھٹ: جانا،دفعہ ہو جانا،غصے اور نفرت سے کہنا جاؤ تو چل پُھٹ پھر۔وہ بچے کو الٹے ہاتھ سے دور ہٹنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

(ح ص:۳۱۹)

پھٹ پڑا: بے قابو ہونا،بہت موٹا ہونا،زور میں ہونا، کثرت سے کسی بات کا ہونا

ارشاد کا بگلا بولا اور صفدر سلطان پھٹ پڑا۔

(ح ص:۸۰)

پھاہ چڑ گیا تھا: پھانسی کی سزا ہوئی تھی،موت کی سزا جو رسی کے پھندے سے دی جاتی تھی

نہیں تو میں تو لٹک گیا تھا۔پھاہ چڑ گیا تھا۔۔۔بچ گیا۔

(ح ص:۱۳۱)

پکھنڈ بازی: دھوکہ دینا،فریب دینا،حرامزدگی کرنا

سرئیلسٹ تو فرائیڈ کو لے کر پکھنڈ بازی کر رہے تھے۔

(ح ص :۱۶۶)

پٹی بند: ایک ہی شعبہ سے تعلق رکھنے والے ملازمین

بہر حال میں نے اپنے پٹی بند بھائی کی مدد کی۔

(ص ت ۶۱)

پکھنڈ : دھوکہ ،فریب،ریا کاری، شرارت، حرامزدگی، بدذاتی، جھگڑا

یہ محض پکھنڈ ہے۔مجھے یقین ہے تم سب کچھ لکھ سکتے ہو بعد میں بھی۔

(ح ص:۲۳۸)

پھینٹی بند: لڑائی جھگڑے میں ساتھ دینے والے

لیکن یہاں اچانک مجھے اپنی پیٹی بند بھائی یا بہن بلکہ پھینٹی بلکہ پھینٹی بند بھائی نظر آئے۔

(ص ت:۲۶۳)

پھسڈی: ہارا ہوا، شکست خوردہ، پست گھٹا ہوا، کم درجہ

اعلیٰ اخلاقی اقدار کا ایک نہایت پھسڈی سا چیمپئن ہونے کے باوجود میرا خیال ہے اس مقام پر مجھے اپنے طرز عمل کی صفائی میں کچھ کہنا چاہیے۔

(ص ت:۲۱۱)

پُٹھی پٹیاں پڑھانا: الٹی سیدھی باتیں سکھانا، غلط راستے پر ڈالنا

مجھے پتہ چلا ہے وہ اسے کوئی پٹھی پٹیاں پڑھا رہا ہے۔

(ص ت:۲۰۵)

پنگا: لڑائی جھگڑا، فساد

یہ لفظ پنگا بھی عجیب ہے۔ آج تک کوئی اسے اس کا مطلب ـــ۔ نہیں بلکہ اس کی اصل نہیں سمجھ سکا تھا۔

(غ ب:۲۶۱)

پھڈا: لڑائی جھگڑا، فساد، معاملات خراب

وہ تو چاہیں گے کہ پھڈا اڈالا جائے۔

(ص ت:۱۲۳)

پُلس: پولیس، مقامی زبان کا لفظ

اس نے زندگی بھر کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ایک دن اسے خفیہ پُلس والوں جیسی نوکری کرنا پڑے گی۔

(غ ب:۳۲۹)

پھوڑی پر بیٹھنا: جب کوئی شخص وفات پا جاتا ہے تو اس کے اہل خانہ کچھ مخصوص دنوں کے لیے گھر کے اندر یا باہر بیٹھتے ہیں تا کہ جو مہمان بھی اظہار تعزیت یا فاتحہ خوانی کے لیے آئیں وہ اہل خانہ کے ساتھ مل کر مرحوم کے لیے دعائے خیر کر سکیں۔

دور سے ہی حکیم کے مکان کے سامنے بہت سے لوگ بیٹھے نظر آئے جیسے پھوڑی پر بیٹھے ہوں۔

(غ ب:۸۰)

پتہ کاٹنا: قتل کرنا

یہ کھوناں ـــ۔ سیٹھ کا پتہ کاٹنا ہے۔

(ح ص:۲۴۴)

پسوڑی: فساد، جھگڑا، خرابی، خلل

یہ سب بالی کی ڈالی ہوئی پسوڑی تھی۔

(ح ص:۳۴۱)

پھٹیچر: انتہائی خراب حالت، گھٹیا، کم درجہ، پست، کم مرتبہ

اس پیارے کیفے غلام باغ کے اس پھٹیچر کلاک میں آٹھ بج کر تیس منٹ ہو چکے ہیں۔

(غ ب:۱۰)

تلنگا: بے وقوف، بد تہذیب، اُجڈ

اور یاداشت کے لیے ان میں سے ہر ایک کے لیے

تلنگا۔ کریک ۔ چور ۔یتیم ۔ہیرو ۔کالیا۔ گنگو اور چڑلیں جیسے جامع اسمائے صفت وضع کرر کھے تھے۔

(ب ا:۷۷)

تُو تکار: بدزبانی، دشنام طرازی، گالی گلوچ

اکبرے نے باپ سے مچھلیوں کی فروخت کے حساب کتاب پر تُو تکار کرنے کے بعد اپنی گھر والی کو اپنے ساتھ کوٹھری میں دھکیل کر اندر کنڈا بند کر لیا۔

(ب ا:۶۱)

تراہ: شان و شوکت، رعب دبدبہ

ان کا کہنا تھا اس طرح ان کی صلاحیتوں کا تراہ جاگیر دار کے دل پر قائم رہتا ہے۔

(ص ت:۹)

تگڑی آسامی: امیر آدمی

اس تگڑی آسامی سے میرا خیال ہی تمہیں اچھی فیس مل سکتی ہے۔

(غ ب:۴۸۷)

توڑا کرانا: بہانے بنانا، لیت و لعل کرنا، جھوٹا وعدہ کرنا

توڑا کرائیں ۔۔۔۔ یہ توڑا کیا بلا ہے۔ کبیر نے برا سے منہ بنا کر پوچھا۔

(غ ب:۳۷۳)

تھڑدلا: کم ظرف، کنجوس، بزدل

پر شوکی تو ہے بڑا تھڑ دلا۔

(ح ص:۲۳۳)/

تِڑک رہا تھا: مزاج گرم ہونا، غصے میں آجانا

یہ شوکا تیرا اباس پہلے تو بڑا تڑک رہا تھا۔

(ح ص:۲۴۳)

تھڑا کانفرنس: گاؤں میں گھر کے سامنے چبوترے پر گاؤں کے لوگوں کا بیٹھ کر گپ شپ کرنا

اس خیال کے آنے میں تھڑہ کانفرنس کا کافی ہاتھ تھا۔

(ص ت:۹)

تیلا: پتلا، کمزور

شادی سے پہلے وہ تیلا تھا لیکن مہینے بعد پھٹ کو بے ہوش ہو گیا۔

(ص ت:۳۶۷)

تاڑو نظر: تاڑنے والا، بھانپنے والا، قیافہ شناس

ویسے گلے تیری پہچان بڑی قاتل ہے۔ بڑی تاڑو نظر ہے تیری۔

(غ ب:۷۲۹)

ٹٹ پونجیا: تھوڑی پونجی والا، دیوالیہ، چھوٹا سوداگر

میں کوئی ٹٹ پونجیا عطائی نہیں ہوں۔

(غ ب:۴۶)

ٹڈے: پردار کیڑا، دبلا پتلا آدمی

مالک تو ہے ٹڈے یا یہ ہے۔

(ح ص:۴۶۶)

ٹانکا فٹ ہونا : تعلق ہونا، رابطہ ہونا

گاموں کا خیال تھا کہ اس کا ٹانکا ذکی کے ساتھ فٹ ہو چکا ہے۔

(ص ت: ۲۴۶)

ٹیم: وقت
کیوں میرا اور اپنا اور میم صاحب کا ٹیم برباد کرتے ہو۔
(غ ب:۶۴۴)

ٹھگی: دغابازی، فریبی، دھوکہ دہی
نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ تجھے پتہ ہے میں ٹھگی نہیں کرتا۔

(ح ص:۲۴۴)

ٹُونے کرانا: جادو کرانا، تعویز کرانا
اگلے تین ماہ کے لیے ٹُونے کرا کے لائی ہے گشتی۔
(ح ص ۴۵۷)

ٹِنڈ: گنجا ہونا، سر کے بال منڈے ہونا
بندے کے سر پر پھیرو تو ایک ہی پھیرے میں ٹنڈ تیار ہو جائے۔

(ح ص:۳۸۳)

ٹھنڈ پڑ جائے گی: سکون آ جائے گا، جلن دور ہو جائے گی، کسی فتنہ کا دور ہونا
صفدر سلطان کو بلی سے مل کر ٹھنڈ پڑ گئی۔
(ح ص:۳۳۶)

ٹھنڈا کرانا: جنسی خواہش پوری کرنا
میں کہتا ہوں اس کو ٹھنڈا کرا دے ایک بار۔
(ح ص:۲۴۴)

ٹھرک: شوق، جنون، عشق، دل پھنیک
ابا جی بتاتے تھے کہ منشیوں کا حساب کتاب کا ٹھرک بعض اوقات عجیب و غریب شکلیں اختیار کر لیتا تھا۔

(ص ت:۸)

ٹامک ٹوئیاں: اٹکل یا اندازے سے کام کرنا، قیاس سے کام کرنا
اس خلائے بسیط میں ٹامک ٹوئیاں مارنے اور اندھا دھند بے مقصد معلومات کے ٹکڑے چننے کی سائیبر جبلت عود کر آئی۔

(ص ت:۲۶۲)

ٹوکا ٹوکی: طنز کرنا، نقطہ چینی کرنا، تنقید کرنا
یہ سب ٹوکا ٹاکی اس عمل میں کوئی مقام نہیں رکھتی۔
(غ ب:۶۶۷)

ٹھس: کند ذہن، جو اپنی جگہ سے نہ ہلے، سست
ڈاکٹر پروفیسر نذیر بشیر کی ٹھس نہ ہو تو لازم ہے وہ ان کی لپیٹ میں آ جائے۔

(غ ب:۴۹۴)

ٹٹی پیشاب: پاخانہ، انسانی فضلہ
ٹٹی پیشاب کے لیے اگو گجر نے کڑک کر کہا ذرا بھی پڑھا لکھا نہیں تو سانورے

(ص ت:۱۰۰)

ٹھاٹھ باٹھ: شان و شوکت، آن بان
جس کی سفید مونچھوں اور بھوری آنکھوں میں سے اشرافیہ کی ٹھاٹھ باٹھ اور پر تعیش مہمان نوازی کا وعدہ جھلکتا تھا۔

(غ ب:۶۱۶)

ٹھنڈی ٹھار: بہت زیادہ سرد

فائرنگ کے بعد کی صورت حال کا کامیاب علاج بہر حال صرف ٹھنڈی ٹھار گنڈیریاں چوسنا نہیں ہے۔

(ص ت:۱۷۷)

ٹھگ: ٹھگنے والا، دغاباز، لٹیرا، چور، ڈاکو

یہ وہ مقام ہے جہاں امیر علی کے باقاعدہ ٹھگ بننے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

(غ ب:۴۳۳)

ٹھڈے: پاؤں سے ضرب لگانا

تھیٹر والے اس کے پاؤں پڑتے رہے انہیں تھپڑ اور ٹھڈے پڑے۔

(ح ص:۴۳۱)

ٹچن ٹیٹ: تیار، بالکل ٹھیک، موزوں، مناسب

اللہ کے فضل سے سب کام مکمل ہو چکا ہے ٹچن ٹیٹ میرا مطلب ہے بس اب پینٹر کا کام باقی ہے۔

(ب ا:۷۹)

ٹھٹھا اڑانا: مذاق اڑانا، ہنسی اڑانا، تضحیک کرنا

ہر بات کا ٹھٹھا اڑانا اور غیر سنجیدہ گفتگو اس کا شیوہ ہے۔

(غ ب:۳۶۸)

جاگو میٹی: گہری نیند نہ سونا، سوتے جاگتے رہنا

جلد ہی وہ جاگو میٹی کی اس کیفیت میں پھنس گیا جہاں نیند اور بیداری اور خواب اور حقیقت میں فرق مٹنے لگتا ہے۔

(غ ب:۸۷)

جنجال: وبال، مصیبت، آفت

اللہ سے دعا کرتا ہے کہ وہ اس جنجال سے نکالے۔

(ح ص:۴۰۲)

جڑیں نہ گالے: خاندان کا نام نہ خراب کرے، خاندان کو بے عزت نہ کرے

دیکھ منشی عطااللہ اپنے بیٹے کو سمجھا لے کہ وہ میرے منڈے کی جڑیں نہ گالے۔

(ص ت:۱۶۹)

جوٹھا کرے: بچا ہوا کھانا، پس خوردہ، استعمال شدہ

سنو یہی گھڑی ہے جس کہ جس کا جنا اس لائق ہے کہ شاہ کے لقمے کو شاہ سے پہلے جھوٹا کرے۔

(ب ا:۱۷)

جمع جتھا: جمع پونجی، خزانہ، کمائی

اکبرے کی گھر والی کے پھولے پیٹ میں کلبلاتی زندگی نے آسانی سے اس جہاں میں آنے سے انکار کر دیا تو وہ بڑے شہر کے ڈاکٹر تاجے کا جمع جتھا بھی چاٹ گئے۔

(ب ا:۶۲)

جیبھ: زبان

اور شاہ کے گھونٹ کو اس سے پہلے کہ وہ شاہ کے دہن میں اتر جائے اپنی جیبھ سے گندا کرے کاہنوں نے کہا۔

(ب ا:۱۷)

جنّی: جن کی تانیث

مطلب ہے جی سب کو پتہ ہے عورت کیا ہے جنّی ہے

جنسی۔

(ص ت:۳۱۶)

جھگی: جھونپڑی

حسوداد کی جھگی سے کوئی بیماری نہ لگوا بیٹھو۔

(ص ت:۵۲)

جتن: کوشش، سعی ،جدو جہد، دوڑ دھوپ ، تدبیر، تجویز، علاج، حیلہ

بلکہ لفظ جتن کی بجائے میری دوسری زبان میں اس کے لیے ایک لفظ ہے۔

(ص ت:۲۱۷)

چنگڑ محلہ: وہ محلہ جس میں چنگڑ ذات کے لوگ رہائش پذیر ہوں

وہاں کے اس چنگڑ محلہ کالج۔۔۔واشنگٹن کمپیوٹر کالج کو وہ یہی نام دیتا تھا۔

(ص ت:۴۷)

چوراچکا: چور، بدمعاش، غنڈا

چور۔اچکا۔چوہدری اور غنڈی عورت پردھان بننے کا رتبہ حاصل کرتے ہیں۔

(ص ت:۴۶)

چوتیا: احمق، بے وقوف، گاؤدی

چوتیا وہ بڑبڑاتا ہے اور اور تیزی سے دوسرے ہاتھ میں تھامی ایک پھٹی پرانی کاپی پر تیزی سے لکھنے لگتا ہے۔

(ح ص:۱۰۰)

چمڑیس: کنجوس، بخیل

اور یاداشت کے لیے ان میں سے ہر ایک کے لیے تلنگا۔کریک۔چور ۔یتیم ۔ہیرو ۔کالیا۔گٹکو اور چمڑیس جیسے جامع اسمائے صفت وضع کر رکھے تھے۔

(ب ا:۷۷)

چسکا: شوق، عادت، لت، چاٹ، زبان کا مزہ

زہرہ نے سوچا "صحت مند چسکا کیا ہو سکتا ہے"؟

(غ ب:۲۶۲)

چوری چھپے: درپردہ، خفیہ طور پر، چھپ چھپ کر

رخصتی تک کے طویل لمحات کے دوران انھوں نے قانونی طور پر میاں بیوی ہوتے ہوئے بھی چوری چھپے ملنا شروع کر دیا۔

(ح ص:۶۹)

چالوزنانیاں: ایسی عورتیں جو بار بار غیر مردوں سے جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہیں

چالوزنانیاں۔نالے کی ڈھیلی۔بہن چود۔۔۔۔کہتا ہے رمز کی باتیں ہیں وہ۔

(ح ص:۴۶۹)

چُپ گڑپ لوگ: خاموش طبیعت، چالاک، عیار، گھنے، میسنے

اس کا تجربہ اسے بتاتا تھا کہ بڑے بڑے چپ گڑپ لوگ بھی کہیں نہ کہیں بول پڑتے ہیں۔

(ح ص:۳۶۵)

چار چوفیرے: ہر طرف، چاروں اطراف میں، ہر جگہ

وہ ایک باؤ ادھر موٹر سائیکل کھڑی کر رہا ہے۔ چار چوفیرے تاڑ رہا ہے۔

(ح ص:۲۳۴)

چوکھیا: چار منہ کا، پھکڑ باز جو اکیلا چار کو جواب دے

پھر وہ چوکھیا جو ہر وقت نشے میں غرق رہتا ہے۔

(ح ص:۱۵۳)

چندریاں: عقل مند، دانا، منحوس، بدنصیب

ادھر سب ہی چندریاں جانتی ہیں ۔۔۔۔ایک دوسرے پر کالا علم کراتی ہیں۔

(ح ص:۴۵۷)

چمونے: آنتوں کے طفیلی حشرات

اس کو دیکھو چمونے کو ۔۔۔۔ادھر بھلا کسی کو آتا ہے سمجھ انگریزوں کا گانا۔

(ح ص:۳۷۷)

چوں چراں: تکرار، ضد

اگر اس نے سالار برادری جسے تم سالار نیٹ ورک کہتے ہو کے خلاف کوئی معمولی سی بھی چوں چراں کر دی تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

(ص ت:۲۶۰)

چک چک: لڑائی جھگڑا، بلا وجہ بحث و تکرار

اس کی زندگی کے کون کون سے واقعات ہیں جن میں شیر جیسی دھاڑ سنائی دیتی ہے اور کون کون سے محض چک چک ہیں۔

(ص ت ۲۹۲)

چودخانہ: حرام کاری کرنے کی جگہ، چکلا

یہ تو سب سے بڑا چودخانہ ہے۔

(ح ص:۴۶۷)

چوس چاس: چوسنا، دودھ پینا، عرق نکالنا

مجھے مکمل کچل کر میرا سب کچھ چوس چاس کر بھاگ جاتا ہے۔

(غ ب:۷۵۲)

چس: مزا، لطف، چیزا۔۔۔۔

یہ چس، چسکا جو بھی ہم بولیں ۔۔۔۔سنسنی خیز مواد سے ملتا ہے۔

(غ ب:۲۶۵)

چکلے: بازاری عورتوں کی رہائش گاہیں، طوائف خانے

حکم تو مجھے عالی جاہ کا یہ ہے کہ یہ پرانے اور جو نئے چکلے کھلے ہوئے ہے نا، ان کو فنا کر دو

(ح ص:۴۶۷)

چوری چکاری: چوری کرنا، ڈاکا ڈالنا، نقب زنی کرنا

جسمانی مشقت اکا دکا چوری چکاری اور عزت دار گھروں کی صفائی ستھرائی کر کے پیٹ پالنے والی اس ارزل نسل میں اچانک کوئی شخص کبھی کبھار اپنے نسلی گراف کو تھوڑا اوپر اٹھا لے جاتا تھا۔

(غ ب:۲۶)

چوسا لگانا: جذب کرنا، دودھ پینا، نچوڑنا، عرق نکالنا

اس نے مخ والی ہڈی کو آخری بھرپور چوسا لگایا تو مخ کا

لمبا گلفا اس کے منہ کے اندر آگیا اور بکرے کی ساری جوانی اس کے اندر اتار گیا۔

(غ ب:٧٠٦)

چہیتے: پیارے، عزیز، محبوب

عاشق علی کے چاروں چہیتے گاہک ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتے ہیں۔

(غ ب:٧١٠)

چوچا: چوزہ، مرغی کا بچہ

یتیم چُوچا جیسا ـــــ چُچا جیسے بولتا ہے ویسا۔ چی آ ـــ چی آ ــــ چی آ۔

(غ ب:٢١٤)

چونچلے: نازونخرے

وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ یاور ہاؤس کی فضا کو موت کے بعد کے چونچلوں سے پراگندہ کیا جائے۔

(غ ب:٣١٥)

چیلے: غلام، داس، شاگرد، مرید

امیر جان نے اپنے خاص چیلوں کا کبیر کے پیچھے لگا دیا۔

(غ ب:434)

چڑیل: بدصورت عورت، بدکرادر عورت، مونث آسیب

ایک تو اس جاسوسوں والی چڑیل نے جان عذاب میں ڈالی ہوئی ہے۔

(غ ب:٢١٤)

چوماچاٹی: بوس و کنار، ناز و نیاز، اختلاط

پہلے اسی برآمدے میں انھوں نے چوماچاٹی کی۔

(غ ب:٥٣٥)

حرامی: گالی، وہ شخص جو بے نکاہی ماں سے پیدا ہوا ہو

وہ مانتا نہیں ہے لیکن حرامی نے ضرور مارا ہو گا بھائی کو۔

(غ ب:١٥)

حرام کے جنے: گالی، ناجائز طریقے سے پیدا ہونے والے بچے، بغیر نکاح کے پیدا ہونے والے بچے

ایک تو اس حرام کے جنے چوکیدار نے پیچھے سے ایسا ہاتھ رسید کیا کہ ہوش نہ رہا۔

(غ ب:٢٨)

حرامزادی: شریر، بدذات، فسادی، فتنہ پرداز، وہ عورت جو بے نکاہی ماں سے پیدا ہوئی ہو

ایسی حرامزدی ہے یہ بلی۔

(ح ص:٢٤٨)

حرامی کے پلے: گالی، بے نکاہی عورت سے پیدا ہونے والے بچے

کیفے کے نشئی گاہک کو یقین ہو گیا کہ وہ حرامی کے پلے اور پلی انگریزی بول رہے تھے۔

(غ ب:٢٤٩)

حرامدیاں: حرام کی چیزیں، نجس اشیا

پر بڑھے فروجے کو تو حرامدیاں کھانے اور نشہ کرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں۔

(ب ا:٦٠)

خصی: وہ جانور جس کے نوطے نکال دیے گئے ہوں، نامرد، زخنہ، ہیجڑا

وہ اصل میں کون ہے اور کس انوکھی واردات سے اس نے خصی بادشاہوں کو پھر سے توانا بنانے کا چھل دے کر اپنی ایک بادشاہت بنائی ہے۔

(غ ب:۳۱۲)

خصم: مالک، آقا، خاوند، شوہر

اور خصم ان کی مسکین کُرلاتے پھرتے ہیں۔

(ص ت:۱۹۹)

خبیث: ناپاک، گندا، پلید، شرارتی

اس خبیث کا کوئی نعم البدل مل جائے تو فوراً چلتا کروں۔

(غ ب:۹۴)

دلی: گالی

سوہنی دیکھو ذرا۔۔۔دلی۔۔۔مرزا صاحباں ہیں۔

(ح ص:۵۱۱)

ڈلا: مرد کو دی جانے والی گالی

ٹھنڈی کرے یہ بھی۔۔۔کوئی۔۔۔ڈلا۔۔۔

(ح ص:۸۱)

دنگا: لڑائی جھگڑا، فساد

جو دنگا کرے گا حوالہ پُلس ہو گا۔

(ح ص:۸۹)

دھتکار: لعنت ملامت، ڈانٹ ڈپٹ، جھڑکی، پھٹکار

پیار سے بعض لوگ مجھے ذکی اور دھتکار سے ذکو کہتے ہیں۔

(ص ت:۷)

دھلائی کرنا: مارنا، پیٹنا

ملازم کی کافی دھلائی کی گئی ہے لیکن اسے کچھ معلوم نہیں کہ کہاں گئی۔

(ص ت:۸۶)

دادے پڑدادے: آباؤاجداد

یہ سارے کاغذ پتر صرف اس کے پیو دادے پڑدادے کے ہی تو نہیں ہمارے سب وڈے وڈیروں کے بھی ہیں۔

(ص ت:۲۰۷)

دیدے: آنکھیں

اب مدد علی بستر پر اکڑوں بیٹھا اپنے گول گول دیدے گھماتا۔

(غ ب:۲۲۱)

دولتیاں: چوپائے خصوصاً گھوڑے یا گدھے کا دونوں پچھلی ٹانگیں اٹھا کر مارنا

اور تو اور گدھی بڑی دولتیاں مارتی ہے مگر اخیر گدھا منہ تک آجاتا ہے۔

(غ ب:۴۵۳)

دھوکے کی ٹٹی: دکھاوے کی چیز، فریب میں لانے والی چیز، مغالطے میں ڈالنے والی چیز

قلمی نام تو دھوکے کی ٹٹی ہے جناب ۔میری اصل تحریریں تو اسی نام سے ہوں گی جو میرے باپ نے مجھے دیا ہے۔

(غ ب:۹۷)

ڈھیٹ: سرکش، اڑیل، بے باک، ضدی

زینیا کتنا ڈھیٹ پھول ہے پاپا۔

(غ ب:۱۱۴)

ڈھکوسلا: فریب، دھوکہ، بہانہ، مہمل بات

ڈھکوسلا۔ یہ لفظ آج بھی اس عمل کو ہی نہیں میری پوری زندگی کو کتنے کامل انداز میں سمیٹ لیتا ہے۔

(غ ب:۶۷۵)

ڈینگ: شیخی، تعلی، لاف و گزاف

یہ ڈینگ سُن کر انیلا نے کہا۔ تم جیب والے جیب میں ہی رہنے دو۔

(ح ص:۱۰۹)

ڈنڈ بیٹھکیں: جسمانی ورزش ،کسرت ،ڈنٹر بیٹھک لگانے کا عمل

پہلوان جو نمائشی ڈنڈ بیٹھکیں نکالتا ہے ۔کھلاڑی جسم کو گرم کرنے کے لیے جو اچھل کرتا ہے۔ان سب کا کوئی ریکارڈ نہیں ہوتا۔

(غ ب:۴۰۸)

ڈولی ڈنڈا: سازوسامان، بوریا بستر

انہیں سامنے کچے راستے پر ڈولی ڈانڈا اٹھائے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

(ص ت:۱۳)

ڈانوں ڈول: ڈگمگاتا ہوا، مذبذب، بیکار، آوارہ

وہ بے یقین ڈانوں ڈول کرنے والے لمحوں سے نپٹنے کے لیے اپنی تربیت کو کام میں لاتا ہے۔

(غ ب:۵۲۱)

ڈشکرے: موٹے تازے، صحت مند، تندرست

جب متعلقہ مطلقہ کے ڈشکرے بھائی ارادہ قتل ظاہر کرنے لگے تو وہ کوتل سالاروں سے فرار ہو گئے۔

(ص ت:۱۳)

ذلیل کتیا: عورت کو دی جانے والی گالی

مجھے غصہ اس بات پر ہے کہ میں اس ذلیل کتیا کو اسی کی زبان میں جواب کیوں نہ دے سکی۔

(غ ب:۴۵۷)

رنڈی: عورت، کسبی، رن بازاری، رقاصہ

بس کسی رنڈی سے شادی کرنے کے چکر میں نہ پڑ جائے۔

(ح ص:۱۱۲)

رن: مقامی زبان میں عورت کو کہتے ہیں

تمہیں سپرنٹنڈنٹ صاحب کا تو پتہ ہی ہے۔اوپر سے یہ رن۔

(غ ب:۷۲۹)

رنڈی خانے: چکلے، کسبی عورتوں کی رہائش گاہیں

ہم تمہاری یہ بد معاشیاں ۔یہ ننگے تماشے ۔رنڈی خانے بند کریں گے۔

(ح ص:۳۱۱)

رنڈی بازی: عیاشی، تماشہ بینی

کیا ہوگا کچھ فلمی رنڈی بازی کرا کے واپس آجائے گا۔

(ح ص:۱۱۲)

رپھڑا: رکاوٹ، خلل، فساد، جھگڑا

کوئی پولیس۔۔۔۔رپھڑا تو نہیں۔

(ح ص:۴۱۷)

رُلی کھلی: پامال ہونا، بے قدری ہونا، بے ادبی ہونا، روندا جانا، ٹھکرایا جانا

ویسے وہ اپنے باب کٹ بالوں، مذاق اڑاتی آنکھوں، حساس ہونٹوں اور کتابی چہرے کے ساتھ رُلی کھلی رہنا پسند کرتی ہے۔

(ح ص:۱۰۴)

رٹی پٹی: اچھی طرح یاد کیا ہوا، اچھی طرح سیکھا ہوا، زبانی یاد کیا ہوا

یہ بظاہر ایک عام اور رٹی پٹی بات کرنا ہے۔

(غ ب:۱۷۷)

رگڑا: چوٹ، خراش، کسی دھار دار آلے کا سختی سے گردن وغیرہ پر چلنا، ڈانٹ ڈپٹ، طنز و تشنیع، جھگڑا، تیز کرنا، گھساؤ

یہ رگڑا کیا تھا۔ کس نے دیا۔

(ص ت:۹۱)

رپھڑ: رکاوٹ، خلل، فساد

عورت تو بس عورت ہوئی بات ختم ہوئی پر جو ساتھ ہے اس کا کیا رپھڑ ہے۔

(غ ب:۸۱)

ساڑ: جلن، تپش، حسد، کینہ، رشک

ناک میں خوشبو بدبو کا زیادہ ساڑ تو نہیں پڑتا سرکار۔

(ص ت:۳۱۵)

سُور کے بچو: گالی

حرامزادو۔ کتو۔ سُور کے بچو۔

(ص ت:۱۲۰)

ٹھیک جواب تو یہ بنتا تھا کہ مار مار کر سور بنا دیتے کتے کو۔

(ح ص:۴۷۰)

سُور کھلانا: رشوت دینا، حرام کھلانا

اس تھانیدار کو سُور کھلانے کے لیے شمشاد اور تو دونوں گئے تھے۔

(ح ص:۴۶۵)

سکڑو: کمزور، دبلا پتلا

پھر وہ بھورے رنگ کا سکڑو جو تجھ پر رشک کرتا ہے۔

(ح ص:۱۵۳)

سکولیے یار: سکول کے دور کے دوست

مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ اس کے کسی سکولیے یار سے پوچھو۔

(ح ص:۳۷۶)

سڑیل: چڑچڑے مزاج کا آدمی

ایک ادھیڑ عمر سڑیل سا آدمی مستان کے قریب آتا ہے۔

(ح ص: ۲۵۰)

سیاپا: غم ، سوگ ، ہائے ، وا ویلا، رونا پیٹنا ، آفت ، مصیبت

اب کے ساتھ یہی تو سیاپا ہوا۔ وہ پورا اُسچل منشی کبھی نہ بن سکا۔

(ح ص: ۳۲۵)

ستیاناس: تباہی، بربادی، غارت گری، اُجاڑ

ستیاناس بالی کے منہ سے نکلتا ہے۔

(ح ص: ۲۴۵)

ساڑ کر سواہ کرنا: جلا کر راکھ کرنا، دوسروں کا حسد میں مبتلا کرنا

ساڑ کر سواہ کیے جانے کے قابل لوگوں کو یاد کرنے سے پہلے روٹی ہی تو کھا لینی چاہیے۔

(ب ا: ۳۲)

سوٹڈ بوٹڈ: فیشن ایبل ، جو سوٹ اور بوٹ پہنے ہو ، انگریزی وضع کا

پھر ایک سوٹڈ بوٹڈ شرمندہ شرمندہ سا شہری نوجوان آیا۔

(غ ب: ۱۸۱)

سوکھی سڑی: خشک، روکھی، دبلی پتلی، لاغر، کمزور

کرتی بھی ہے تو ایسے جیسے ہم کوئی سڑک پر پڑی ---سوکھی سڑی گنڈیری ہوں۔

(غ ب: ۲۱۴)

شغل: تفریح یا دل بہلانے کا مشغلہ، کوئی کام جو دلچسپی، وقت گزاری یا مصروف رہنے کے لیے کیا جائے

وہ شغل شغل میں مڈل کر گیا اور ڈاکیا لگ گیا۔

(غ ب: ٦٨)

شیر دی بچی: دلیر، بہادر

اس کے دل سے آواز آئی۔ جی او شیر دی اے بچئیے۔

(ح ص: ۲۵۵)

غریب غربے: مفلس، نادار اور غریب لوگ

پھر غریب گربے کا لنگر کھلنا ہے جلسے کے بعد۔

(غ ب: ۷۸۸)

غل غپاڑہ: شور، غوغا، چیخ و پکار، چرچا، دھوم، شہرت

اندھیرا دن شور شرابے ہاہاکار سے لدا پھندا اندھیری شام کے غل غپاڑے میں ڈھلتا۔

(ب ا: ۳۷)

غنڈی: لُچی، بدمعاش، فسادن، جھگڑالو

چوراچکا چوہدری اور غنڈی عورت پردھان بننے کا رتبہ حاصل کرتے ہیں۔

(ص ت: ۴٦)

فراڈیا: دغاباز، فریبی، دھوکہ دینے والے

یہ کیسی فلم کمپنی ہے جس کا باس فراڈیا ہے۔

(ح ص: ۲۹۹)

فٹافٹ: جلدی سے، جھٹ پٹ، فوراً

بابا جی چائے فٹافٹ---کچھ کھانے کے لیے بھی

منگوالیں۔

(ح ص:۱۶۶)

فراٹا: کسی چیز کے اڑنے کی یا ہوا کے تماچوں کی آواز، ہوا کا تیز جھونکا

جھکڑ کا ایک فراٹا پھر آیا تو میں نے اس پر قطعاً کوئی توجہ نہ دی۔

(ب ا:۱۱)

کوڑی بھینس: غصے والی بھینس

بھینسوں بھینسوں میں میں فرق ہوتا ہے۔ یہ تو بڑی کوڑی بھینس ہے۔

(ب ا:۵۰)

کتے کے پلے: گالی، کتے کے بچے

وہ گورے اور اس کے مقامی کتے کے پلے دوست کو اس محفل میں لے آیا تھا۔

(غ ب:۲۷۲)

کتیا کا بچہ: گالی

وہ کمانڈنگ آفیسر یقیناً کسی کتیا کا بچہ تھا۔

(غ ب:۲۷۶)

کھیہ کھانا: آوارہ گردی کرنا

یہ جو چھوٹا لڑکا گلی میں آگے کہیں کھیہ کھا رہا ہے۔

(۳۸۴)

کالیا: جس کا رنگ کالا ہو، سیاہ رنگ والا

اور یاداشت کے لیے ان میں سے ہر ایک کے لیے تلنگا۔ کریک ۔ چور ۔ یتیم ۔ ہیرو ۔ کالیا۔ گنگو اور چڑیں جیسے جامع اسمائے صفت وضع کر رکھے تھے۔

(ب ا:۷۷)

کملا: بے قوف، کم عقل، نیم پاگل

کملیا بُلھن تیرے میرے جیسوں کو نظر نہیں آتی۔

(ب ا:۶۲)

کھوکھا: وہ دکان جو سڑکوں کے کنارے پر صندوق کی شکل میں بنا لیتے ہیں، کوٹھڑی، چھوٹا کمرہ

جب پیاس لگتی ہے گلزاری کے کھوکھے سے سوڈے کی بوتل منگوا لیتا ہے۔

(ص ت:۵۳)

کائیاں: ماہر، چالاک، عقل مند

وہ اپنے آپ کو کسی وائسرائے کا لوفر سا گورا گماشتہ محسوس کرنے لگتا مگر ایسا گماشتہ جو اپنا کام نکلوانے میں کائیاں تھا۔

(غ ب:۶۰۶)

کال: قحط، گرانی، خشک سالی، رُت، موسم، زمانہ، موت

انگریز بھی دور دراز کے علاقے سے اناج کال کے علاقوں میں پہنچانے لگا۔

(غ ب:۷۴۲)

کڑک: طاقتور، توانا، جاندار، تیز، شدید

یہ بولو چائے کون سی پیو گے کڑک یا ملائیوں والی۔

(غ ب:۱۰۵)

کوسنے دینا: طعنے دینا، برا بھلا کہنا، بددعائیں دینا
والد صاحبہ کچھ نامعلوم شہری عورتوں کو کوسنے دینے لگیں۔

(ص ت:۱٦)

کنی کترانا: نظر بچا کر چلے جانا، ایک طرف ہو کر چلے جانا
میں نے کنی کترا کر آگے نکلنے کی کوشش کی تو وہ پھر آگے آ گیا۔

(ص ت:۲۴٦)

کنجر: گالی، کنجر قوم کا مرد جو ناچنے گانے کا پیشہ کرتا ہے۔
یہ کنجر لوگ ہیں بیٹا۔ان کی طرف زیادہ دیکھنا ٹھیک نہیں۔

(ح ص:۸٦)

کباڑا کرنا: ذہن کی بری حالت کر دی
وہ اوٹ پٹانگ شخص اچھا خاصا میرے ذہن کا کباڑا کر گیا تھا۔

(ص ت:۲۵۱)

کنجری: کنجر کی جورو، کنجر قوم کی عورت جو ناچنے گانے کا پیشہ کرتی ہے، گالی جاؤ اپنی بہن کے یار و اس کنجری کو لے جاؤ اور باری باری سوؤ اس کے ساتھ۔

(غ ب:۲۴۹)

کریک: پاگل، بے وقوف
اور یاداشت کے لیے ان میں سے ہر ایک کے لیے تلنگا۔ کریک ۔ چور ۔ یتیم ۔ ہیرو ۔ کالیا۔ گٹکو اور چڑیس جیسے جامع اسمائے صفت وضع کر رکھے تھے۔

(ب ا:۷۷)

کنجر خانہ: وہ جگہ جہاں اوباش رہتے ہوں
مطلب ستر سال سے کنجر خانہ کھولا ہوا ہے۔

(ح ص:۴٦٦)

کل کلیان: تکرار کرنا، بحث کرنا، کوسنا
جب ماٹھے ڈائیریکٹر نے کل کِلیان شروع کی تھی تو جس طرح انھوں نے اس کی طبیعت صاف کی تھی اس سے تو وہ بالکل ہی ان کا عاشق ہو گیا تھا۔

(ح ص:۲۵۵)

کن سوئیاں لینا: چھپ کر باتیں سننا، جاسوسی کرنا
کن سوئیاں لیتی پھرتی ہے گشتی۔

(غ ب:۲۱۵)

کتا تھانیدار: مقامی زبان میں پولیس کو دی جانے والی ایک گالی
بڑا کوئی کتا تھانیدار ہے بھئی ---- بالی نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

(ح ص:۴۷۲)

کانا: ایک آنکھ والا ، یک چشم ، کانڑا، داغی پھل ، ٹیڑھا ترچھا
ایک ہمارا بلا بھی تھا پرلے درجے کا خبیث۔ بد فطرت اور کانا۔

(ص ت:۱۳۸)

کن من ہونا: بوندا باندی ہونا، ہلکی بارش ہونا

کہتا ہے کن من ہو رہی ہے۔ مٹی گیلی ہے۔

(ح ص:۵۱۹)

کھوچل رنیں: کھوکھلی عورتیں، اندر سے خالی عورتیں

کرو مرد تھے اور کھوچل رنیں تھیں ساتھ۔

(ح ص:۴۶۹)

کھجل کرانا: گشت کرانا، وقت ضائع کرانا

اس گانڈو سیٹھ کو کیوں کھجل کرا رہے ہو۔

(ح ص:۲۷۵)

کڑی چود: گالی، بیٹی سے غلط کام کرنے والا، بیٹی سے زنا کرنے والا

ادھر جیب میں کیا ہے ---ہاتھ ڈالا ہے ---اپنا ---پکڑتا ہے۔ او کڑی چود جلدی جا۔

(ح ص:۷۹)

کتا کام: کتا کام، گھٹیا کام، خراب یا برا کام

بہت اچھا کیا---اور کرنا بھی نہ۔ بڑا کتا کام ہے۔

(ح ص:۴۵۷)

کل کلاں: پھر، آئندہ زمانے میں، کچھ دن بعد

کل کلاں اگر وصیت واقعی نظمی نکلی تو کم از کم انہیں کچھ نظم سمجھنے کی، اور وہ بھی فضائی صاحب کی اہلیت تو حاصل ہو چکی ہو گی۔

(ص ت:۱۰۵)

کھسر پھسر کرنا: سرگوشی کرنا، کانا پھوسی کرنا، چہ مگوئیاں کرنا

ان کے رشتے کی عورتیں بھی شاید ہیروں کی باتیں بھول کر ہمارے بارے میں کھسر پسر کرنے لگی تھیں۔

(ص ت:۷۵)

کچا چٹھا: خفیہ راز، راز و نیاز، ظاہر باطن کی باتیں

مجھے یہاں سے اپنا کچھا چھٹا(data) اٹھانا ہو گا۔

(ص ت:۱۴۶)

کل کل کرنا: آج کل کرنا، لیت و لعل کرنا، ٹال مٹول کرنا

ورنہ بڈھے کی کل کل روز بہ روز بڑھتی جائے گی اور اس کے اصل کام کو متاثر کرے گی۔

(غ ب:۳۷۳)

کھچرا: گھنا، میسنا، جس کا ظاہر اور باطن ایک نہ ہو، چالاک

کبھی مجھے لگتا ہے کھچرا ہے اور مجھے الو بنا رہا ہے۔

(ص ت:۲۸۸)

کھیکھن: ایسی حرکات جن میں بناوٹ اور حیلے بہانے شامل ہوں، بناوٹی غصہ، ناز برداری کرنے کا حیلہ، عورتوں اور معشوقوں کی حرکات و سکنات جو اس طرح کے کوششوں کو زیادہ مکمل اور بہتر طور پر گرفت میں لاتا ہے اور وہ لفظ کھیکھن ہے۔

(ص ت:۲۱۷)

کالا بھجنگ: سیاہ کوئلے کی طرح کا، سیاہ فام، چالاک، گھاگ
جیسے نازک اندام حسیناؤں کی محفل میں کوئی ننگ دھڑنگ کالا بھجنگ مسٹنڈا گھس آئے۔
(غ ب:۱۷۴)

کھچڑی: خفیہ صلاح مشورہ، سازش کرنا، دال اور چاول ملا کر پکایا جانے والا ایک نمکین کھانا جو روٹی کے بغیر کھایا جاتا ہے۔
کیا عجب امبر جان سے مل کر مشترکہ کھچڑی پک رہی ہو۔
(غ ب:۴۲۶)

کڑک کر: سخت آواز سے، بجلی جیسی آواز سے
والد صاحب اچانک کڑک کر پہلی دفعہ ان سے براہ راست مخاطب ہوئے۔
(ص ت:۱۶)

کوپ: چائے پینے کی خاص وضع کی بنی ہوئی پیالی جس میں دستہ بھی لگا ہوتا ہے، دستہ دار پیالی
کوپ پر کوپ رکھتے جاؤ اٹھاتے جاؤ۔
(غ ب:۷۰۴)

کھلم کھلا: اعلانیہ، صاف، واضح، بااعلان، کھل کر
لیکن مجھے ایک عجیب تجربہ ضرور ہے۔ کھلم کھلا۔
(غ ب:۴)

کورا: کھرا، مٹی کا برتن جس میں پانی نہ ڈالا گیا ہو، بلا دھلا، صاف، قطعی، بے داغ، اناڑی، کنوارا
میں اس طرح کی بک بک میں بالکل کورا ہوں۔
(غ ب:۵۲۵)

کمینہ: ذلیل، بدذات، سفلہ، کمین ذات، کم ظرف ظالم، کمینہ، خود غرض، حریص مگر عزت دار صاحب حیثیت معزز عطائی عجیب انداز سے قہقہے لگانے لگا۔
(غ ب:۱۱۲)

کمی کمین: کم ذات، پنچ قوم کا، کم ظرف
چھوٹوں کی بڑوں کی، کمی کمین کی۔ بہت بڑے سرداروں کی، عزت داروں کی ---امانتیں ان تک پہنچانی ہوتی ہیں۔
(غ ب:۷۹)

کنگلا: غریب، مفلس
یار یہاں چلتے ہوئے تو عجیب خواہ مخواہ اپنے کنگلے ہونے کا احساس ہونے لگتا ہے۔
(ص ت:۳۶۲)

کمینگی: کمینہ پن، ذلالت، کم ظرفی، اوچھا پن، سفلہ پن

کن کھجوری: کن کھجورا ایک لمبا سا کیڑا جس کی بہت سی ٹانگیں ہوتی ہیں، زہریلا کیڑا
ویسے میں مزہ ضرور لوں گی اس کو بتا کر اس کن کھجوری نرس کو۔ میں کیا کیا سن لیتی ہوں۔
(غ ب:۲۱۷)

کت بل: فضول اور بے کار اشیاء
انہیں جلدی سے جلدی پیش کرو نہیں تو ادھر ہی سب

کتربل کو مکا کرمدا ایسا غائب کریں گے کہ کسی کی ہڈی کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔

(غ ب:۷۶۹)

کھرینڈ: زخم کے مندمل ہونے پر اس کے اوپر آنے والی جھلی

اس کے جلے ہوئے جسم سے کھرینڈ اتر رہے تھے۔

(غ ب:۶۰۱)

کُربل کُربل: ہجوم، رش، بھیڑ، کثیر تعداد میں ہونا

مرطوب کمرے کے مواد میں لاکھوں کروڑوں کُربل کُربل کرتے کیڑوں کا نظارہ کرنے کی اپنی اپنی کیفیتیں دکھا رہے ہیں۔

(غ ب:۶۵۷)

کتھا: کہانی، روداد

پہلے بھی اپنی یہ کتھا سناتے ہوئے مجھے یہ خیال آیا تھا۔

(ص ت:۲۱۳)

گانڈ میں لے لو: گالی

نوٹوں کی بتی بنا کر اپنی گانڈ میں لے لو۔

(ح ص:۲۲۷)

گنگا: وہ شخص جو زبان سے بول نہ سکے، گونگا، چپ، خاموش

بھائی مدد علی گنگا ضرور ہوا ہے مگر بہرا نہیں۔

(غ ب:۵۶۶)

گھوکتی: زور سے بولتی، شور مچاتی، ڈھنڈورا پیٹتی

یہ کُوکتی۔ گھُوکتی۔ گھمکتی ہوا کی آواز ہے زہرہ۔

(غ ب:۷۱۴)

گھوکی چڑھنا: گہری نیند آنا

اور بولا بڑی گھوکی چڑھ رہی ہے میں تو سوتا ہوں۔

(غ ب:۷۷)

گشتی: بد چلن، بد کردار، گاؤں گاؤں پھرنے والی رنڈی، آوارہ

گشتی۔۔۔ یار سے کیسے ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہے۔

(غ ب:۲۱۴)

گر سیکھنا: اصول سیکھنا، قاعدے سیکھنا، راز سیکھنا، کسی کام کرنے کا خاص طریقہ کار سیکھنا

پانچ چھ دنوں میں ہی وہ Widows Word اور Excel کے استعمال کے بنیادی گر سیکھ گئے۔

(ص ت:۵۴)

گھسیڑدو: زبردستی لکھنا، ٹھونس دینا

سیدھی صاف کہانی کی کوئی چھپی ہوئی لائین بھی ہو سکتی ہے۔ یہ نہیں کہ جو چاہو گھسیڑدو۔

(ح ص:۱۹۳)

گندہ سُور: گالی، یہ گالی مرد کو دی جاتی ہے

یہ کوئی کریکٹر نہیں تھی یہ وہی تھی اور اسی گندے سُور کے لیے بول رہی تھی سب کچھ۔

(غ ب:۴۵۵)

گٹھو: چھوٹے قد والا، پست قامت

اور یادداشت کے لیے ان میں سے ہر ایک کے لیے تلنگا

۔ کریک ۔ چور ۔ یتیم ۔ہیرو ۔ کالیا۔ گنگو اور چمڑیس جیسے جامع اسمائے صفت وضع کر رکھے تھے۔

(ب ا:۷۷)

گھنا: میسنا، چالاک، ہوشیار، عیار
شکی، گھنا، کمینہ، چھپ کر وار کرنے والا، کمزور کو کبھی نہ بخشنے والااور طاقت ور کے تلوے چاٹنے والا۔

(غ ب:۲۴۴)

گھپلا: ہیر پھیر، دھاندلی، گڈ مڈ، خلط ملط، جھگڑا
جب تمہارا ذہن خود اپنے سے کوئی سوال کرے اور خالی رہے تو سمجھو کوئی گھپلا ہے۔

(ح ص:۲۸۰)

گند بکنا: گالیاں دینا، فُحش زبان کا استعمال کرنا، برا بھلا کہنا
چل بس کر اوئے۔ گند نہ بک زیادہ۔

(ب ا:۵۰)

گھسی پٹی: استعمال شدہ، ناکارہ، خراب، پُرانے
یہ تو کافی گھسی پٹی ٹرم ہے۔

(ص ت:۱۵۸)

گڈ مڈ: باہم ملنا، خلط ملط ہونا
اس نے حقیقت اور واہمے کو گڈ مڈ نہیں کر دیا کیا؟

(غ ب:۴۴۵)

گانڈا: بات کو بخوبی سمجھ کر کسی غرض سے انجان بننے والا، دل میں بات یا بغض رکھنے والا، منہ چیا، منافق
اب تیرے اس گانڈے سیٹھ کو ساتھ لے کر بیٹھ گیا ہے۔

(ح ص:۲۴۳)

گانڈو: فُحش بازاری، وہ مرد جسے فعل بد کرانے کا شوق ہو، علت اُبنہ رکھنے والا، ڈرپوک، بزدل، نامرد
اس گانڈو سیٹھ کو کیوں ساتھ کھجل کرا رہے ہو۔

(ح ص:۲۷۵)

گُدولیڈا: احمق، بے وقوف
اس گُدولیڈے کو اپنی زلف گرہ گیر میں الجھائے رکھنا۔

(ح ص:۳۱۵)

گندو: لچا، بدمعاش، رند، بدوضع، بد چلن، اوباش
یہ کیا لفظ بولا تم نے۔ گندو۔۔۔۔

(ح ص:۳۱۵)

گرگے: ادنٰی ملازم، چیلا، بد کردار، بدوضع
تھوڑی دیر بعد شمشاد ایرانی کے دو گرگے آئے۔

(ح ص:۹۲)

گیلڑ: سابق خاوند کی اولاد جسے عورت اپنے دوسرے خاوند کے ہاں لائی ہو، کدھیڑا، سوتیلا
گیلڑ۔۔۔پہلے خاوند کا وہ بچہ جسے عورت اپنے ساتھ دوسرے خاوند کے ہاں لائی ہو۔

(غ ب:۴۱۱)

گیگلا: بھولا، سادہ لوح، کم عقل، پھوہڑ

ہاں میں ہی گیگلا ہوں ۔میں نے کہا اور اڑتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا۔

(غ ب:۴۲۷)

گدڑ ڈائریکٹر: بزدل ڈائیریکٹر، کم ہمت، پست

صفدر سلطان انیلا کی نظر میں ایک گدڑ ڈائریکٹر تھا۔

(ح ص:435)

گورا: عمومی طور پر انگریزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، سفید، اجلے رنگ کا، صاف رنگت والا

کم بخت اس گورے کی بھڑک پر پیسہ ثواب خطا ہو جاتا ہے ہم لوگوں کا۔

(غ ب:۲۸)

گھنگنیاں ڈالنا: خاموشی اختیار کرنا، چپ سادھنا

تم تو بالکل منہ میں گھنگنیاں ڈال کر بیٹھ گئے ہو۔

(غ ب :۴۹۶)

گھاگ اور کایاں: پُرانا، تجربہ کار آدمی

کیسے میں جو اتنا گھاگ اور کایاں بندہ ہوں ایک پاگل عورت کی باتوں سے پریشان ہو گئی تھی۔

(غ ب:۲۱۷)

گرو: استاد، پیر و مرشد، بزرگ، معلم

بلکہ شاید اس کا گرو ارشاد کباڑیا سوچتا ہے۔پھانسی سے بچ جانے والے۔۔۔

(ح ص:۱۳۲)

گھگھیایا: عاجزی کی، منت سماجت کی، گڑگڑایا

بوڑھا گھگھیایا اور دوسرے لمحے ہی ہاف مین کی جیب سے سو سو کے کئی نوٹ نکل آئے۔

(غ ب:۱۸۸)

گھگھی بند جانا: روتے روتے سانس بند ہو جانا، ہچکی بندھ جانا، ڈر کے مارے بول نہ سکنا

لازماً اسی لیے عاشق کی محبوب کے سامنے گھگھی بند جاتی ہے۔

(غ ب:۱۵۲)

گھٹیا: پست، نکما، احمق

اسے ایک گھٹیا کمپیوٹر مکینک کی حیثیت بار بار یاد دلانے کے لیے اس پر طنزیں کر رہے تھے۔

(ص ت:۷۶)

گند بلا: نجاست، کوڑا کرکٹ، غلاظت، خراب اور نکمی چیز

ان کتابوں کی طرح، دماغ میں طرح طرح کی گند بلا کے ٹائیٹل چلتے رہتے ہیں۔

(غ ب:۳۷۵)

گھگو گھوڑے: مٹی سے بنے بچوں کے کھلونے جن پر رنگ کیا ہوتا ہے

کالیا چمچ بناتا تھا اور پارو گھگھو گھوڑے۔

(غ ب:۷۶۹)

گوری میم: سفید رنگ والی، خوبصورت، حسین، یورپی عورت

نور داد کی دادی کی نانی کی پرنانی غدر میں بچھڑی ہوئی ایک گوری میم تھی۔

(غ ب:۱۶۹)

لمبے تڑنگے: دراز قد، طویل، بلند، اونچا

کبیر نے لمبے تڑنگے جرمن کو ایک لاتعلق سی دعوت فکر دیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

(غ ب:۱۸۶)

لاتی پوتی کرنا: خوشامد کرنا، جھوٹی تعریف کرنا

ادھر ادھر کی لاتی پوتی لگانے کے بعد پوچھنے لگی۔

(غ ب:۴۵۰)

لڑی سے تھا: نسل سے تھا

یاور جو حا کو کانٹے والے، ماسٹر کرم الٰہی اور قصے پڑھنے والے پیراں دتے کی لڑی سے تھا۔

(غ ب:۶۹)

لفنگے: لُچے، بدمعاش، بدچلن، بے غیرت

میرا اس جرمن یونی ورسٹی کی انتظامیہ کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جس نے تم جیسے توہم پرست لفنگے کو غلام باغ پر ریسرچ کے لیے بھیج دیا۔

(غ ب:۱۹۸)

لولا: ٹنڈا، جس کے ہاتھ پیر نہ ہوں، اپاہج، لنگڑا

کانے۔۔۔۔ لولے۔۔۔۔ میں نے سمندری ڈاکوؤں کی ایک فلم دیکھی تھی۔

(ح ص:۲۹۵)

لوفر: کھلنڈرا، آوارہ، وقت برباد کرنے والا

عطائی خود ان لوگوں سے اور خاص طور پر اس لوفر سے بکواسی کے ساتھ حد سے بڑھ رہا تھا۔

(غ ب:۲۶۷)

لتر: جوتا

سیٹھ کو لتر بھی نہیں مارے گی وہ تھوکے گی بھی نہیں اس پر

(ح ص:۲۴۴)

لپھڑا: لڑائی جھگڑا، فساد

ہمارا دل دہل گیا کہ اب کوئی اور لپھڑا پڑتا ہے۔

(ح ص:۴۳۴)

لعنتی: ملعون، مردود، منحوس، جس پر پھٹکار برستی ہو، بدنصیب

سجان بتاتا ہے کہ ایک لعنتی کے جانے اور نئے لعنتی بلکہ لعنتیوں کے آنے کی خوشی میں جگہ جگہ شادیانے بجائے جا رہے تھے۔

(ح ص:۳۳۲)

لنگڑا: ایک پاؤں یا ٹانگ سے معذور، کمزور، بودا

لنگڑا نہیں۔۔۔۔ وہ بیساکھی والا۔۔۔۔؟

(ح ص:۴۳۲)

لدھر کی اولاد: گالی

اپنی شکل دیکھی ہے بہن چودنے۔۔۔۔ لدھر کی اولاد نے۔۔۔۔

(ح ص:۲۹۴)

لونڈی: کنیز، باندی، خدمت کرنے والی خادمہ،

مطیع، فرمانبردار

جو کام شریف عورت نہیں کر سکتی وہ بلی یا اس کی لونڈیاں کرتی ہیں۔

(ح ص:۲۴۹)

لترپریڈ: جوتوں سے مارنا، جوتوں سے پیٹنا، مار کٹائی

حق تو یہ تھا کہ ادھر ہمارا پروگرام بھی موقع کے مطابق ہوتا اور بے پناہ لترپریڈ ہوتی۔

(ص ت:۶۶)

لپاٹیا: جھوٹا، دروغگو، کاذب

اس نے کیسے جیسے دیکھتے ہی دیکھتے اس لپاٹیے کو چن لیا تھا۔

(غ ب:۲۹۶)

ننگے فوٹو: بغیر لباس کے تصویریں

یہاں کمپیوٹر سینٹر میں ننگے فوٹو دیکھے جاتے ہیں۔

(ص ت:۳۸۲)

مک مکا کرنا: خفیہ سمجھوتا کرنا، آپس میں طے کر کے تصفیہ یا فیصلہ کرنا، خاموشی سے معاملات طے کرنا

ماں کے یار: گالی، ماں کے آشنا

دفع ہو میگا لا نہیں تو تیری ماں کے یار ادھر سے آجائیں گے۔

(ح ص:۷۹)

ماردھاڑ: مارپیٹ، شوروغل، ڈانٹ ڈپٹ

ہمارے منشیوں کو سالار شکار گاہ کی مار دھاڑ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

(ص ت:۷)

مقامی کتیا: گالی

جن میں وہ مقامی کتیا بھی شامل ہے۔ جو بیک وقت تین مردوں کے ساتھ سوتی ہے۔

(غ ب:۵۳۶)

مقامی کتا: گالی

اس نے کسی مقامی کتے کا انتخاب کر لیا ہے اور تم منہ دیکھتے رہ گئے۔

(غ ب:۵۳۷)

میم صاحب: یورپی خاتون، مالکن کے لیے احتراماً استعمال ہوتا ہے

میم صاحبہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ آگ دونوں طرف برابر لگی ہوئی ہے۔

(ص ت:۹۹)

میٹو مٹی ہونا: گرد آلود ہونا، مٹی سے بھرا ہونا، مٹی سے اٹا ہونا

اس دن بقول والدہ گھر کی ہر چیز مٹیو مٹی ہو جاتی تھی۔

(ص ت:۸)

مطبل: مطلب، معنی، عوامی زبان میں مطلب کی املا، مطبل

سرکار آپ کو نہیں پتہ وہ تو اسی وقت چلی گئی تھی۔ مطبل ہے جب۔

(ص ت:۳۲۸)

کھد: بہت ہی برا، نکما، ناکارہ، بدتر، نکھت

پنچ: کمینہ، رزیل، ذلیل، سفلہ

مادرچود: دشنام، جس نے اپنی ماں کے ساتھ زنا کیا ہو

نہ پر ضرور تو نے حرف حرف سنانا ہے ۔مادر چود کا۔ پاگل کتے کا۔

(ح ص:۴۶۷)

موتروالا: پیشاب والا

بُورا ہم نے بیچنا ہوتا ہے۔ موتروالا بُورا۔ نہیں۔ نہیں

(ص ت:۱۲۰)

مرُدود: کسی جگہ سے نکالا گیا، بے عزت کیا گیا، ملعون، بدذات، کمینہ، گالی

لعنت مرُدود: گاہک زیر لب کہہ کر چلا جاتا ہے۔

(ح ص:۲۳۹)

ماں چُد جاتی ہے: گالی، ماں کے ساتھ زنا کرنا، ماں کے ساتھ مجامعت کرنا

چھوٹی کرسی پر بیٹھوں تو باقی ٹانگ کی ماں چُد جاتی ہے۔

(ح ص:۲۴۳)

مورا: بھس بھرا مصنوعی بچھڑا

یہ مورا کیا ہوتا ہے چاچا؟

(ب ا:۵۰)

مُنہ متھے: شکل وصورت، خدوخال

یا پھر بندے کے مُنہ متھے کا خط اوسط سے انحراف ہی اتنا زیادہ ہو کہ ہر تصویر ہی شناختی تصویر بن سکے۔

(ب ا:۲۶)

منہ پھٹ: بدتمیز، زبان دراز، بدلحاظ، بدزبان، بدلگام

بنیادی طور پر صاف گو اور قدرے منہ پھٹ ہے۔ لیکن بدنیت نہیں۔

(ح ص:۱۱۲)

مزے لینا: محظوظ ہونا، لذت پانا، لطف اٹھانا، عیش کرنا

دنیا میں چوری چھپے مزے لینے والی یہ سب سے بڑی قوم ہے۔

(ح ص:۱۰۸)

مٹی پلید کروائی: بے عزتی کروائی، تکلیف دی

سناتے ہیں بڑے بڑے ماسٹروں نے اپنی مٹی پلید کروائی۔

(ص ت:۳۴۹)

مصلی: ایک پنچ قوم

بھائی ثنااللہ عنفوان شباب سے بھی کچھ پہلے ہی گاؤں کے مصلی جاموں کی بیٹی سگو کے عشق میں گرفتار ہو کر اس سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کی ضد کرنے لگے۔

(ح ت:۱۳)

ماتڑ: غریب، احمق، بے قوف

کوئی اسے بتائے او ظالم کے بچے ماتڑ ہونا ہی سب سے بڑا گناہ ہے۔

(ص ت:۳۲۵)

مڑمڑ: چپکے چپکے بات چیت، کھسر پھسر

سگو مڑمڑ کر کھیت کی طرف دیکھتی آنسو پونچھتی جارہی

تھی۔

(ص ت:۱۳)

منڈے بازی: اغلام بازی، لواطت، بچہ باز

منڈے بازی (یعنی مردانہ ہم جنسیت)۔ جو کم از کم ہمارے ہاں ایک شدید قابل مذمت سرگرمی ہے۔

(ص ت:۱۳۶)

ملیامیٹ: پامال، روندا ہوا، تباہ و برباد، نیست و نابود

بادشاہ تو وہ ہیں جو کسی بھی وقت ہمیں ملیامیٹ کر سکتے ہیں۔

(غ ب:۱۳۱)

مخولیا: مسخرا، ظریف، ہنسوڑ، ٹھٹھول

سزا تو دوسری بات پر ملی۔ ویسے سر جی آپ مخولیے کافی ہیں۔

(غ ب ۶۹۶)

ماں جایا: برادر حقیقی، سگا بھائی

پہلے سب بھائی ہی ہوتے ہیں سوائے ماں جایوں کے۔

(غ ب:۴۵۱)

من گھڑت: بے بنیاد

انھوں نے اس واقعے کو سراسر من گھڑت قرار دیا۔

(غ ب:۶۷۴)

مڑھی: جھونپڑی، چھوٹا مندر

میرا خیال ہے اگر میں غلطی نہیں کرتا تو سکھوں کی مڑی کے ساتھ اس وقت جو سایہ ہماری طرف متحرک تھا۔

(غ ب:۱۹۲)

مسٹنڈا: موٹا تازہ آدمی، ہٹا کٹا

یہ انہیں مخصوص، تمام مردانہ، محفلوں میں میں سے ایک تھی جنہیں زہرہ کی ماں ایک تنفر آمیز لہجے میں بڑھے مشٹنڈوں کی دھما چوکڑی کا نام دیا کرتی تھی۔

(غ ب:۲۲۸)

منکے ٹونے: جادو تعویز کرنا

پادری اپنی کتاب میں گردنوں کے منکے ٹونے کی موسیقی اور سفید لہراتے رومال کی موت کے رقص کے علاوہ اور کیا دکھائے گا۔

(غ ب:۴۳۰)

ننگے فوٹو: بغیر لباس کے تصویریں

یہاں کمپیوٹر سینٹر میں ننگے فوٹو دیکھے جاتے ہیں۔

(ص ت:۳۸۲)

ننگ منگا: بغیر کپڑوں کے

بچہ کچھ کھائے پیے بغیر ننگ مننگا۔

(غ ب:۱۷۱)

ننگ دھڑنگ: بالکل ننگا، مفلس، قلاش

جیسے نازک اندام حسیناؤں کی محفل میں کوئی ننگ دھڑنگ کالا بھجنگ مسٹنڈا گھس آئے۔

(غ ب:۷۴)

ہڑبونگ: ہل چل، افراتفری، کھلبلی

کرسیوں میزوں کی منجمد ہڑبونگ میں سے رستہ بناتے

وہ کیفے غلام باغ کے باورچی خانے کے بند دراوزے کے سامنے آکھڑے ہوئے۔

(غ ب:۶۵۴)

ہرل ہرل کرنا: بغیر کسی خوف کے آوارہ گھومنا، آوارہ گردی کرنا

ہر طرف سالار بزرگ اور نوجوان ہرل ہرل کرتے پھرتے تھے۔

(ص ت:۱۲۲)

ہڑبڑا کر اٹھا: اچانک اٹھا، پریشان ہو کر اٹھا

یہ پارٹی کے دفتر کی عزت کا سوال ہے سراج دین ہڑبڑا کر اٹھا۔

(ب ا:۳۳)

ہتھے چڑگیا: ہاتھ لگنا، قابو میں آجانا، مہارت ہونا

اچانک ہی انگریزی کا ایک محاورہ اس کے ہتھے چڑگیا۔

(غ ب:۳۴۵)

واویلا کرنا: شور مچانا، آہ و پکار کرنا

ہونے والی کو ٹالنے کے لیے کوئی واویلا نہیں کرتا۔

(غ ب:۷۰)

ویلیں: خوشی سے پیسے نچھاور کرنا

پھر تماشائیوں نے ویلیں دینی شروع کر دیں۔

(ح ص:۴۲۶)

وچھوڑے: جدائی، ہجر، علیحدگی

سب کا پتہ چلتا ہے کہ وچھوڑے کا حکم آگیا ہے۔

(ح ص:۸۴)

ودھ عورتیں: چالاک عورتیں، ہوشیار عورتیں، مکار عورتیں

یہ بڑی ودھ عورتیں ہیں۔ آدھی سے زیادہ تو میڈم جی پر عاشق ہو گئی ہیں۔

(ح ص:۴۵۴)

وڈے وڈیرے: خاندان کے بڑے بزرگ

پہلے تو وڈے وڈیرے، برادری بھگتی، پھر اخیر ہماری باری آئی۔

(غ ب:۷۵)

وڈی سرکار: بڑے پیر صاحب

ادھر وڈی سرکار پیر سائیں نے بس اتنا ہی کہا۔

(ص ت:۳۱۶)

ہڈ حرام: ڈھیٹ، نکما، ناکارہ

دراصل یہ مشین ہڈ حرام لوگوں نے ایجاد کروائی ہے۔

(ص ت:۱۵)

ہٹے کٹے: صحت مند، تندرست، توانا

خود پروفیسر ابھی ہٹے کٹے ہیں۔

(ح ص:۱۹۹)

ہڑپ کرنا: نگل جانا، کھاجانا، غبن کرنا

اب مجھے اپنی زندگی کا یہ اہم فیصلہ کرنا تھا کہ پہلے پراٹھے ہڑپ کروں یا کمپیوٹر کھول کر ضروری ای میلیں کروں۔

(ص ت:۲۸۹)

ہف گیا تھا: تھک گیا تھا
اچانک سراج دین کو احساس ہوا کہ وہ نفرت کے اجزا جگاتے جگاتے ہف گیا تھا۔

(ب ا:۳۲)

ہاہاکار مچنا: شور و غل ہونا، شور شرابا ہونا
جب مکان پر ناگہانی آفت ٹوٹ پڑی تھی اور مالک مکان کے لیے ہاہاکار مچی تھی۔

(غ ب:۵۶۳)

یاروں کے ساتھ بھاگنا: آشنا کے ساتھ فرار ہو جانا، چوری یار کے ساتھ بھاگ جانا
بہنیں، بیٹیاں گھروں سے یاروں کے ساتھ بھاگیں۔

(ح ص:۴۶۹)

مندرجہ بالا فرہنگ ان قارئین کے لیے فائدہ مند ثابت ہو گی جو یہ دعویٰ پیش کرتے ہیں کہ مرزا اطہر بیگ اپنی فکشن میں بہت مشکل زبان استعمال کرتے ہیں۔ زبان کی اہمیت اور ترقی پر جو ناقدین اور محققین تحقیق کی خواہش مند ہیں اس سے انہیں اس تلخ حقیقت کا اندازہ ہو گا کہ مقامی اور علاقائی زبانوں سے کنارہ کشی کی صورت میں زبان کی رنگا رنگی اور دلچسپی ماند پڑ جاتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ https://www.youtube.com/watch?v=XQnVkqSLdTQ

۲۔ https://www.youtube.com/watch?v=XQnVkqSLdTQ

ماحصل

ماحصل

زیر نظر تحقیقی مقالے میں ایرک پارٹرج کے نظریہ سلینگ کی روشنی میں مرزااطہر بیگ کی فکشن میں سلینگ کے استعمال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔مرزااطہر بیگ کی فکشن اردو ادب میں دلچسپ،انوکھا اور نایاب اضافہ ہے۔باب اول میں جو سلینگ کی مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں :اردو زبان میں سلینگ سے مراد عامیانہ ،بازاری،عوامی اور ناشائستہ الفاظ ہیں۔سلینگ اسم اور فعل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔اس سے مراد عامیانہ بولی،بے تکلفی کی زبان اور فقرے ہیں جو کسی خصوصی موضوع یا کسی مخصوص گروہ سے تعلق رکھتے ہوں۔کٹھ بولی یا سلینگ ایسی زبان ہے جو معیاری زبان کے زد عام لفظیات سے بہت مختلف ہے۔اس کا استعمال کسی مخصوص گروہ کے افراد کرتے ہیں۔

سلینگ زبان کا برا استعمال ہے اور یہ زبان کی توڑ پھوڑ ہے۔لوگوں کے پاس طاقت ہوتی ہے اگر لوگوں کی اکثریت مخصوص الفاظ کا استعمال زیادہ کرے تو یہ الفاظ معیاری زبان کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں اور جلد ہی روز مرہ زبان کا حصہ بن جاتے ہیں۔سلینگ کوئی زبان یا بولی نہیں ہے۔یہ ایک کوڈ ہے جس میں کوئی بھی شخص عام بولی جانے والی زبان کے متبادل متعلقہ اور غیر متعلقہ الفاظ اور جملوں کو استعمال کرتا ہے۔سلینگ کے طور پر استعمال ہونے والے الفاظ بہت عام ہوتے ہیں۔سلینگ کے بارے میں دو نظریات پیش کیے گئے ہیں۔جن میں سے ایک گروہ کے مطابق سلینگ تخلیقی، متحرک،شاعرانہ اور انقلابی زبان ہے جبکہ دوسرے گروہ کے مطابق سلینگ گندی، فحش،بدصورت اور معمولی درجے کی زبان ہے۔سلینگ استعمال کرنے والے لوگ ان پڑھ ہوتے ہیں جو اس سے بہتر کا استعمال نہیں جانتے۔

سلینگ ایسا ذخیرہ الفاظ ہے جو ایک دوسرے کو اچھی طرح جاننے والے افراد کے درمیان استعمال ہوتا ہے۔سلینگ غیر رسمی زبان ہے۔یہ لوگوں کو غصہ دلا سکتی ہے اگر اسے حلقہ ارباب سے باہر کے لوگوں میں استعمال کیا جائے۔سلینگ لکھنے کی بجائے زیادہ تر بولنے میں استعمال ہوتے ہیں۔سلینگ کی اصطلاح ان افراد کے لیے بولی جاتی ہے جو معیاری زبان کے استعمال سے انحراف کرتے ہیں۔اگر قاسم یعقوب کے حوالے سے بات کی جائے تو ان کے نزدیک

سلینگ گھٹیا زبان نہیں ہے۔ گھٹیا، ستا اور رکیک بھی انسانی جذبات و انفعال کا اظہار یہ ہے جو معیاری زبان میں موجود ہوتا ہے۔ معیاری زبان جب ابتذالی جذبات کا اظہار نہیں کر پاتی تو سلینگ راہ پاتا ہے۔

سلینگ کی تمام تعریفوں کے مطابق مرزا اطہر بیگ نے سلینگ کو عامیانہ بولی کے طور پر، بے تکلفی کی زبان کے طور پر، کسی مخصوص طبقے یا پیشے کی زبان کے طور پر، گندی اور فحش زبان کے طور پر، ان پڑھ لوگوں کی زبان کے طور پر، غیر رسمی زبان کے طور پر اور گھٹیا، سستے اور رکیک انسانی جذبات وانفعال کے اظہار کے لیے استعمال کیا۔ مزید یہ کہ مروجہ زبان سے انحراف کے لیے استعمال کیا۔ مرزا اطہر بیگ کی فکشن میں سلینگ گالیوں کی شکل میں بھی ملتا ہے۔ ایرک پارٹرج کے نزدیک سلینگ عوامی زبان کی ایک قسم ہے جو مروجہ معیاری زبان سے کم درجے کی ہوتی ہے۔

اگر مرزا اطہر بیگ کی فکشن میں پہلے ناولوں کے حوالے سے بات کی جائے تو غلام باغ میں ناول نگار نے سب سے زیادہ سلینگ استعمال کیے ہیں۔ اس ناول میں انھوں نے سلینگ کے استعمال سے متن کی نئی جہات کی تشکیل کی ہے۔ سلینگ کے رنگوں کی وجہ سے تخلیقی کرداروں کا حسن بڑھ گیا ہے اور سلینگ سے اجنبی قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی نئی زبان کو پڑھنے کا تجربہ کر رہا ہو۔ ناول میں غیر روائتی زبان کا یہ تجربہ اردو ناول کی تاریخ میں ایک دلچسپ تجربہ ہے۔ اگرچہ ناول حسن کی صورت حال غلام باغ سے کم اور صفر سے ایک تک سے زیادہ ضخیم ناول ہے مگر اس میں مرزا صاحب نے کم سلینگ استعمال کیے ہیں۔ غلام باغ سے پھٹیچر، گیگلا، گیلڑ، بکواسی، ٹنڈا، ٹھٹھے بازی، کم بخت، ذلیل وغیرہ سلینگ کی مثالیں ہیں۔ صفر سے ایک تک سے غُنڈی، رپھڑ ڈالنا، پھڈا، پھنڈ، سیاپا، کڑک، رگڑا، جتن، خصم، وھیلا، کھسر پھسر کرنا، دھتکار اور کوسنے دینا سلینگ کی مثالیں ہیں۔ حسن کی صورت حال سے چوتیا، بدمعاش، چسکا، حرامزدہ، ڈھیٹ، کنجری، مادر چود، کھوچل رنیں وغیرہ سلینگ کی مثالیں ہیں۔

مرزا اطہر بیگ نے اپنے ناولوں میں مختلف طبقات اور پیشوں کی نمائندگی کے لیے سلینگ استعمال کیے ہیں۔ انھوں نے غلام باغ میں فحش الفاظ اور گالیاں بھی استعمال کی ہیں جنھیں سلینگ کہا جاتا ہے۔ ان کی مثالیں حرامزدے، غلیظ گھٹیا، بدمعاشی، گشتی بہن کے یار، کنجری، خصی کلب، بدکاری، کتیا، نفس اور خصم ہیں۔ ناول کے مختلف کردار طیش اور غصے میں آ کر اپنے جذبات کا اظہار کرنے کے لیے ان سلینگ کا استعمال کرتے ہیں۔ کبیر ہمیشہ یورپی اقوام کو گالیاں دے کر اپنی انا کو تسکین پہنچاتا ہے۔ مرزا اطہر بیگ غلام باغ میں ارزل طبقات کی نمائندگی کے لیے سلینگ استعمال کرتے ہیں جو ارزل نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یاور عطائی، عاشق علی، مدد علی، زہرہ، ناصر اور کبیر کا

تعلق ارزل نسلوں سے ہے۔یہ تمام کردار زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ہر کردار کا اپنا ایک الگ وجود ہے جس کے گرد ایک مختلف کہانی گھومتی ہے۔یہ کردار ناول میں اپنی گفتگو کے دوران اپنے طبقات اور پیشوں کے تناظر میں سلینگ استعمال کرتے ہیں جیسے یاور عطائی کہتا ہے کہ میں کوئی ٹٹ پونجیا عطائی نہیں ہوں۔مدد علی کہتا ہے ایک تو اس حرام کے جنے چوکیدار نے پیچھے سے ایسا ہاتھ رسید کیا کہ ہوش نہ رہا۔خادم حسین ڈاکیا کہتا ہے کہ اپنی رجسٹری وصول کرو حرامزادو۔کبیر کہتا ہے کہ یہ تو ایک خصی کلب ہے سر۔تھانیدار کہتا ہے کہ جاؤ بہن کے یار واس کنجری کو لے جاؤ اور باری باری سوؤ اس کے ساتھ۔ان فقرات میں ٹٹ پونجیا، حرام کے جنے، حرامزادو، خصی کلب ،بہن کے یار واور کنجری سلینگ کی مثالیں ہیں جو مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے کرداروں نے استعمال کیے ہیں۔

ناول صفر سے ایک تک کا اسلوب اتنا پیچیدہ نہیں ہے جتنا غلام باغ کا۔صفر سے ایک تک میں گالیاں اور فُحش الفاظ ملتے ہیں۔اس ناول کے کردار گالیوں اور ان فُحش الفاظ کے استعمال سے بنیادی طور پر انسانی احترام سے انکار کرتے نظر آتے ہیں۔صفر سے ایک تک سے کچھ ایسے الفاظ کی مثالیں غنڈی، بھڑا، پھنڈ، رگڑا، خصم، جتن وغیرہ ہیں۔اس ناول کے اہم کرداروں ذکااللہ اور اس کے والد عطااللہ کا تعلق منشی گیری کے خاندان سے ہے۔ناول میں تین طرح کے طبقات کا ذکر ملتا ہے۔اعلیٰ طبقہ محض گالیوں کی شکل میں کم سلینگ کا استعمال کرتا ہے جبکہ متوسط اور غریب طبقہ اپنی روزمرہ گفتگو میں سلینگ کا استعمال زیادہ کرتا ہے۔

مرزا اطہر بیگ نے حسن کی صورت حال میں غلام باغ کی نسبت سلینگ کا استعمال کم کیا ہے۔اس ناول میں تین طرح کے پیشوں سے تعلق رکھنے والے کردار ملتے ہیں جن میں فلم انڈسٹری سے تعلق رکھنے والے، سرکس اور پولیس سے تعلق رکھنے والے کردار شامل ہیں۔سرکس اور پولیس سے تعلق رکھنے والے والے کردار واجبی سے پڑھے لکھے ہیں فلم انڈسٹری کی نسبت۔ان تینوں پیشوں کے علاوہ کباڑ جمع کرنے والوں کا ذکر بھی ہے۔حقیقی زندگی کی طرح ناول کی زندگی میں بھی پولیس کے شعبے سے تعلق رکھنے والے کردار سلینگ کا استعمال کرتے ہیں۔پولیس والوں کے استعمال کردہ سلینگ کی کچھ مثالیں کنجروں، بک بک، بکواس، کنجریاں، بہن چود، بُولی کتا، کنجر خانہ، اوئے، دلی، کُڑی چود وغیرہ ہیں۔ناول میں پولیس والے گالیاں دیتے ہیں اور فُحش الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔اسی طرح سرکس اور تھیٹر کے کردار بھی کم پڑھے لکھے ہونے کی وجہ سے سلینگ استعمال کرتے ہیں۔

مرزا اطہر بیگ نے غلام باغ میں جو سلینگ استعمال کیے ہیں ان سے صورت حال کی سنجیدگی اور المناکی کم ہوتی ہے۔ سلینگ کے استعمال سے جو مزاح پیدا ہوتا ہے اس سے قاری کی ناول میں دلچسپی بڑھتی ہے اور وہ پورے ناول میں کہیں بھی بوریت محسوس نہیں کرتا۔ واقعات کی مضحکہ خیزی اور ضمنی واقعات میں سلینگ کی آمیزش ناول کی کہانی کو مضحک بناتی ہے۔ جب بوڑھا امبر جان اپنے نشے میں دھت ڈرائینگ روم کے ساتھ والے کمرے میں زہرہ کو اپنی جنسی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ قاری ان ابواب کو پڑھتے ہوئے اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا بلکہ ناول کی منفرد زبان کی وجہ سے لطف و اندوز ہوتا ہے۔ دوسرا المناک واقعہ اس وقت پیش آتا ہے جب امبر جان کے غنڈے کبیر کو جلانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ زندہ بچ جاتا ہے۔ اس حادثے کو بیان کرتے وقت اور کبیر کے اس حادثے کے بعد کی زندگی کو مرزا اطہر بیگ نے سلینگ کے استعمال سے دلچسپ بنا دیا ہے۔ صفر سے ایک تک میں بھی سلینگ کے استعمال سے صورت حال کی سنجیدگی کم ہوتی ہے۔ ایک واقعہ وہ ہے جس میں ذکا اللہ کو سالاروں کے غنڈے اغوا کر لیتے ہیں وہ اسے مختلف طریقوں سے ذہنی اور جسمانی اذیت دیتے ہیں۔ مرزا اطہر بیگ اس واقعے کو بیان کرنے کے جہاں اور سلینگ استعمال کرتے ہیں وہاں اس واقعے کو رگڑے کا نام دیتے ہیں۔ دوسرا واقعہ پڑھتے ہوئے قاری بہت زیادہ ہنستا ہے جب گاموذکا اللہ کے بڑے بھائی ثنا اللہ کے جعلی روحانی ڈیرے پر اس کے اوپر بیٹھ کر اسے پیٹتی ہے اور اپنی مقامی زبان کے فقروں میں اسے لعنت ملامت کرتی ہے۔ قاری اس منظر کو پڑھ کر ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے۔ گامو کہتی ہے پیراتوں مینوں ککھوں ہولا کردتا اے۔۔۔ ہن ننگے بھرا دی واری آئی تے۔ اس واقعے سے سلینگ کی کچھ مثالیں واویلا، بین کرتی، کنجر، کنجری، وڈی سرکار، جلنی وغیرہ ہیں۔ حسن کی صورت حال میں کئی منظر ناموں پر سنجیدہ صورت حال پیدا ہوتی ہے جہاں مرزا اطہر بیگ نے سلینگ کا استعمال کیا ہے۔ حسن کے گم ہو جانے پر اس کا سرکاری ڈرائیور نور خان اس کی رپورٹ لکھواتے ہوئے جو سلینگ استعمال کرتا ہے اس سے قاری ہنسنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور المناک واقعہ پولیس کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعے کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ سارا واقعہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش آ رہا ہے کیوں کہ حقیقت میں بھی ہماری پولیس ایسے ہی لوگوں کو گالیاں دیتی ہے اور فُحش زبان کا استعمال کرتی ہے۔ اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے مرزا اطہر بیگ نے جو سلینگ استعمال کیے ہیں ان سے صورت حال کی سنجیدگی کم نہیں ہوتی بلکہ معاشرے کے اس قانون نافذ کرنے والے ادارے کی بھیانک

تصویر ضرور سامنے آتی ہے۔ پولیس والوں کے استعمال کردہ سلینگ کی کچھ مثالیں بکواس، کنجر، بہن چود، سور، کتا تھانیدار، بہن چود کنجری وغیرہ ہیں۔

مرزا اطہر بیگ نے اپنے ناولوں میں اپنے آپ کو مختلف ثابت کرنے کے لیے بھی سلینگ کا استعمال کیا ہے۔ غلام باغ کو اردو زبان و ادب کا انوکھا اور منفرد ناول قرار دیا جا سکتا ہے جس کی وجہ اس میں سلینگ سے بھرپور مختلف زبان ہے۔ اسی طرح صفر سے ایک تک اور حسن کی صورت حال میں سلینگ کی وجہ سے یہ تینوں ناول مختلف ہیں۔ ناول نگار نے اپنے تینوں ناولوں میں سماجی کشمکش اور طبقاتی تضادات کو مزید دلچسپ بنانے کے لیے سلینگ کا استعمال کیا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ مرزا اطہر بیگ کے ہم عصر اردو ناول نگار اور سفر نامہ نگار ہیں۔ ان کے ناول بہاؤ میں مقامی زبان کے الفاظ ملتے ہیں جن میں اکثر ہمیں مرزا اطہر بیگ کے ناولوں میں بھی ملتے ہیں جیسے گھگھو گھوڑے، چر مراہٹ، جُسے، پُتر، تھڑے، ماس وغیرہ ہیں۔ اکیسویں صدی کے ناول نگاروں میں شمس الرحمن فاروقی، رحمن عباس، پیغام آفاقی اور مشرف عالم ذوقی کے نام شامل ہیں۔ یہ ناول نگار مرزا اطہر بیگ کے ہم عصر ہیں لیکن مرزا اطہر بیگ ان ناول نگاروں سے مختلف زبان میں ناول تخلیق کر رہے ہیں۔ ان کے ناولوں میں شاذ و نادر ہی سلینگ کا استعمال ملتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا اطہر بیگ نے اپنے آپ کو اپنے ہم عصروں سے مختلف ثابت کرنے کے لیے سلینگ کا استعمال کیا ہے۔

مرزا اطہر بیگ نے اپنے ناولوں میں پاکستانی معاشرے کے تلخ حقائق کے اقرار کے لیے سلینگ کا استعمال کیا ہے جیسے صفر سے ایک تک میں پیری مریدی کی وجہ سے لوگوں کو طرح طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسی طرح ان جعلی پیری ڈیروں پر عورتوں کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے۔ حسن کی صورت حال میں ہماری پولیس کے لوگوں کے ساتھ رویے کو طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے کہ کیسے ہماری پولیس اپنی گفتگو میں گالیوں اور فُحش الفاظ کا استعمال کرتی ہے اور کیسے مجرم عورتوں سے اپنی جنسی ہوس پوری کرتی ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے ان تمام تلخ حقائق کو ادب کے لبادے میں چھپانے کے لیے زبان کا سہارا نہیں لیا بلکہ سلینگ سے ان تلخ حقائق کا اقرار کیا ہے۔

سلینگ سے زبان میں نئے اضافے ہوتے ہیں۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب سلینگ ادب کے ساتھ ساتھ لغات کی نئی آنے والی اشاعتوں میں اپنی جگہ بنالیں۔ نہ صرف سلینگ لغات میں شامل ہو جائیں بلکہ لوگ اسے اپنی گفتگو میں بھی استعمال کریں۔ مرزا اطہر بیگ نے غلام باغ میں سب سے زیادہ نئی اصطلاحات گھڑی ہیں جو سلینگ

انھوں نے اپنے ناولوں میں استعمال کیے ہیں ان میں زیادہ تر اردو کی سابقہ لغات میں تو موجود ہیں مگر حالیہ لغات میں شاذ و نادر ہی سلینگ ملتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماضی میں سلینگ کو لغات میں جگہ ملتی رہی ہے۔

اس مقالے میں مرزا اطہر بیگ کے افسانوی مجموعے بے افسانہ میں سلینگ کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس افسانوی مجموعے میں تین افسانے ایسے ہیں جن میں کوئی سلینگ نہیں ملتا باقی کہانیوں میں سلینگ کا استعمال ملتا ہے لیکن ناولوں کی نسبت کم۔ مرزا اطہر بیگ نے بے افسانہ کے کئی افسانوں میں خاص طبقات اور پیشوں کی نمائندگی کے لیے سلینگ استعمال کیے ہیں۔ مُورا افسانے میں دیہات کی زندگی اور اس کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ مورا افسانے میں سلینگ کی مثالیں پاغل دیاپُترا، سوٹے، کوڑی، اڑی، مورا اور لمبا سوٹا ہیں۔ افسانہ بُلھن میں ماہی گیری کے پیشے میں استعمال ہونے والے سلینگ ملتے ہیں۔ دیوار کا تھیٹر میں کرایے داروں اور مالک مکان کے استعمال کردہ سلینگ ملتے ہیں۔ ایسے سلینگ کی مثالیں تلنگا، کریک، کالیا، گنگو، چمڑیس، حرامی، ٹچن ٹیٹ وغیرہ ہیں۔

کچھ افسانوں میں سنجیدہ اور المناک صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ نقطالی کے بیٹے رموت کا وصیت نامہ میں بدنصیب ملازم کا المیہ بیان کیا گیا ہے جو بادشاہ کی حفاظت کے پیش نظر اس کے کھانا کھانے سے پہلے اس کا شاہی طعام چکھتا ہے تاکہ اگر کسی نے زہر ملایا ہے تو بادشاہ اس زہر سے محفوظ رہے۔ اس کہانی کو بیان کرنے کے لیے مرزا اطہر بیگ نے جو سلینگ استعمال کیے ہیں ان سے نہ تو المیے کی شدت کم ہوتی ہے اور نہ ہی مزاح کی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح افسانہ نامکمل پُتلا کہانی میں پاکستان کی موجودہ سیاسی صورت حال بیان کی گئی ہے۔ سیاسی نظام کا یہ المیہ سیاسی منظر نامے پر نظر آتا ہے جس میں سیاسی پارٹیوں کے منتظمین اپنے ملازموں کے ساتھ ناروا سلوک رکھتے ہیں اور انہیں گالیاں دیتے ہیں۔ سیاست دانوں کے اس رویے سے دل برداشتہ ہو کر سراج دین مصنوعی پتلے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی آگ لگالیتا ہے۔

مطالعے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ مرزا اطہر بیگ بیسویں صدی کے عظیم افسانہ نگاروں سے متاثر ہیں۔ اگرچہ مرزا صاحب کے موضوعات ان افسانہ نگاروں سے مختلف ہیں مگر سلینگ کا استعمال ہمیں منٹو اور راجندر سنگھ بیدی کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔ وہ سلینگ جو مرزا اطہر بیگ بہت زیادہ اپنی فکشن میں استعمال کرتے ہیں وہ ہمیں منٹو اور بیدی کے ہاں ملتے ہیں۔ منٹو کے افسانوں سے سلینگ کی مثالیں تیری ماں کا جنا، تیری ماں کے یار، کھوتے، الو کا پٹھا، سالی کانگرس، ٹرٹر، پھوٹی کوڑی، دھندا، تیری ماں کا سر، گورا وغیرہ ہیں۔ راجندر سنگھ بیدی کے افسانوی مجموعے کوکھ

جلی سے ٹٹ پونجیا، الو کا پٹھا، اکا دکا، بکواس، ڈھکوسلا، مشٹنڈے، گوراچٹا اور چھوکری سلینگ کی مثالیں ہیں جو مرزا صاحب اپنی فکشن میں بار بار استعمال کرتے ہیں۔ مرزا صاحب اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں سے مختلف ہیں جیسے رشید امجد اور حمید شاہد اپنے افسانوں میں سلینگ کا استعمال نہیں کرتے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا اطہر بیگ نے اپنے آپ کو اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں سے مختلف ثابت کرنے کے لیے سلینگ کا استعمال کیا ہے۔

مرزا اطہر بیگ نے بے افسانہ میں تلخ حقائق کو بیان کرنے کیے لیے جو سلینگ استعمال کیے ہیں ان سے طنز کی صورت حال تو ضرور پیدا ہوتی ہے مگر مزاح کی نہیں۔

اس مقالے میں شامل فرہنگ میں جو سلینگ شامل ہیں ان کی وضاحت کے لیے اردو ادب کی مختلف لغات سے استفادہ کیا گیا ہے مگر کچھ سلینگ ایسے ہیں جو مقامی زبان میں تو استعمال ہوتے ہیں مگر لغات میں ان کے معنی درج نہیں ہیں اس لیے ان الفاظ کی وضاحت ناول میں کرداروں کے استعمال کرنے کے تناظر میں کی گئی ہے۔

مرزا اطہر بیگ نے اپنی فکشن میں جو سلینگ استعمال کیے ہیں ان سے اُن کے خیالات و تصورات اور فکر کا پوری طرح ابلاغ ہوا ہے۔ سلینگ کے اس استعمال سے مرزا اطہر بیگ نے اردو کے افسانوی ادب کی تخلیقی زبان کو نئے امکانات اور امیدوں سے روشن کروایا ہے۔ مرزا صاحب نے افسانوی ادب کی مروجہ زبان کے اصولوں سے انحراف بھی کیا ہے اور زبان کو اپنی مرضی سے استعمال کیا ہے۔ زبان کے نئے لسانی سانچے اور تلازمات تشکیل دیے ہیں۔ان کی فکشن کے مطالعے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ انھوں نے سلینگ کا استعمال شعوری طور پر کیا ہے البتہ یہ مرزا اطہر بیگ کی کمال مہارت اور خوبی ہے کہ انھوں نے اپنی فکشن کے کرداروں، جگہوں، ماحول، مقام اور ان کی بصیرت و فکر کے مطابق سلینگ کا استعمال کیا ہے۔

کتابیات

کتابیات

اگاسکر، یونس۔اردو کہاوتیں اور ان کے سماجی و لسانی پہلو۔نئی دہلی: ماڈرن پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۸۸ء۔

امجد، رشید۔دکھ ایک چڑیا ہے ۔اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۶ء۔

امجد، رشید۔ست رنگ پرندے کے تعاقب میں۔راولپنڈی: حرف اکیڈمی، ۲۰۰۲ء۔

بدخشانی، مرزا مقبول بیگ۔اردو لغت۔لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۹ء۔

بیدی، راجندر سنگھ۔کوکھ جلی ۔نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۱۱ء۔

بیدی، راجندر سنگھ۔گرہن۔لاہور: مکتبہ اردو، ۱۹۴۲ء۔

بیگ، مرزا اطہر۔صفر سے ایک تک۔لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء۔

بیگ، مرزا اطہر۔بے افسانہ۔لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء۔

بیگ، مرزا خلیل احمد۔زبان اسلوب اور اسلوبیات۔دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۸۳ء۔

بیگ، مرزا خلیل احمد۔لسانی مسائل و مباحث۔دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۲۰۱۶ء۔

بیگ، مرزا اطہر۔غلام باغ۔لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء۔

بیگ، مرزا اطہر۔حسن کی صورت حال ۔لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء۔

بیگ، مرزا خلیل احمد۔اردو زبان کی تاریخ۔دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۴۵ء۔

بیگ، مرزا خلیل احمد۔اسلوبیاتی تنقید۔نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۱۴ء۔

بھٹی، ایم۔اے۔جدید عصری لغت اردو ۔دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۶۹ء۔

پاٹرج، ایرک۔Slang Today and Yesterday۔روٹ لیج، ۱۹۳۳ء۔

پاریکھ، رؤف۔اولین اردو سلینگ لغت۔راولپنڈی: کمیٹی چوک، ۲۰۰۶ء۔

تارڑ، مستنصر حسین۔خس و خاشاک زمانے۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء۔

تارڑ، مستنصر حسین۔بہاؤ۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء۔

جالبی، جمیل۔قدیم اردو لغت۔لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۲۸ء۔

جالندھری، عبدالحکیم خان نشتر۔قائد الغات۔لاہور: حامد اینڈ کمپنی، ۱۹۷۵ء۔

جلال، ضامن علی۔سرمایہ اردو زبان ۔لکھنو:اردواکادمی،۱۹۰۹ء۔

جین، گیان چند۔عام لسانیات۔نیودہلی: ترقی اردوبیورو،۱۹۸۵ء۔

جین، گیان چند۔لسانی مطالعے ۔نیودہلی: ترقی اردوبیورو،۱۹۷۹ء۔

چندر، کرشن۔کرشن چندر کے افسانے۔دہلی: ایشیاپبلیشرز،۱۹۶۰ء۔

حسن، محمد۔ہندوستانی رنگ۔نئی دہلی: غالب اکیڈمی،۱۹۲۶ء۔

حسن، محی الدین۔دلی کی بیگماتی زبان۔نئی دہلی: جامعہ نگر،۱۹۷۶ء۔

حقی، شان الحق۔لسانی مسائل و لطائف ۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،۱۹۹۶ء۔

حقی، شان الحق۔دی آکسفرڈ انگلش اردو ڈکشنری ۔پاکستان: آکسفرڈیونی ورسٹی پریس،۲۰۱۲ء۔

خان، محمد احسن۔علمی اردو لغت جامع۔لاہور: علمی کتاب خانہ،۱۹۸۳ء۔

خان، وارث سرہندی۔اردو ادبی لغت۔دہلی: نور محمد تاجر کتب،۱۹۲۰ء۔

دہلوی، سیداحمد۔لغات النساء۔دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس،۱۹۱۸ء۔

دہلوی، عبدالستار۔اردو زبان اور سماجی سیاق۔بمبئی: قلم پبلی کیشنز،۱۹۹۲ء۔

دہلوی، عبدالستار۔اردو زبان میں لسانی تحقیق۔نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردوزبان،۲۰۱۵ء۔

رضوی، سید محمود الحسن۔لسانیات اور اردو۔لکھنو: احباب پبلیشرز،۱۹۷۲ء۔

سبزواری، شوکت۔لسانی مسائل۔کراچی: مکتبہ اسلوب،۱۹۶۲ء۔

شاہین، امیر اللہ خان۔جدید اردو لسانیات ۔دہلی: چغتائی پبلیشرز،۱۹۷۳ء۔

صدیقی، ابواللیث۔جامع القواعد۔لاہور: مرکزی اردوبورڈ،۱۹۷۱ء۔

صدیقی، ایس۔اے۔ادب اور لسانیات۔نئی دہلی: ترقی اردوبیورو،۱۹۷۶ء۔

ضیا، وزیر بیگم۔محاورات نسواں۔لاہور: فیروزسنز،۱۹۵۵ء۔

علی، ممتاز۔فرہنگ آصفیہ۔لاہور: رفاہ عام پریس،۱۹۰۸ء۔

فاروقی، شمس الرحمان۔کئی چاند تھے سر آسمان۔دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۱۰ء۔

فاروقی، شمس الرحمان۔لغات روز مرہ۔کراچی: قمر کتاب گھر،۲۰۱۲ء۔

فتح پوری، فرمان۔زبان اور اردو زبان۔کراچی: قمر کتاب گھر،۱۹۷۳ء۔

فیروزالدین، الحاج۔فیروز الغات۔لاہور فیروزسنز،۱۹۸۷ء۔

کرسٹل، ڈیوڈ۔لسانیات کیا ہے۔دہلی: چغتائی پبلیشرز،۲۰۰۰ء۔

کولمن، جیولی(Julie Coleman)، The Life of Slang۔نیویارک: آکسفرڈیونی ورسٹی پریس، ۲۰۱۲ء۔

لارس گونر، اینڈرسن(Andersson,Lars Gunnar)اور پیٹر ٹرڈگل(Peter Trudgill) Bad Language، لندن: پینگوئن، ۱۹۹۰ء۔

لکھنوی، محمد منیر۔ملک کی زبان۔کانپور: مطبع مجیدی، ۱۹۲۴ء۔

لکھنوی، محمد منیر۔بازاری زبان و اصطلاحات پیشہ وران۔کانپور: مطبع مجیدی، ۱۹۳۰ء۔

لکھنوی، محمد منیر۔محاوارت نسواں۔کانپور: مطبع مجیدی، ۱۹۳۰ء۔

محمود، سید محمد۔اردو زبان اور اسالیب۔کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۶۱ء۔

مظہرالاسلام۔گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء۔

منٹو، سعادت حسن۔منٹو کے سوبہترین افسانے۔لاہور: اردو پبلک لائبریری، ۲۰۰۶ء۔

نارنگ، گوپی چند۔اردو زبان اور لسانیات۔رامپور: رضا لائبریری، ۲۰۰۶ء۔

نسیم، وحید۔اردو زبان اور عورت۔دہلی: تاج پبلیشنگ ہاؤس، ۱۸۶۴ء۔

ہاشمی، عشرت جہاں۔اردو محاورات کا تہذیبی مطالعہ۔دہلین: ہاشمی پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء۔

یعقوب، قاسم۔اردو سلینگ لغت ۔فیصل آباد: شمع بکس، ۲۰۱۶ء۔